

عزات سیریز

یلا سیریز

نظم کلیم  
ایله



عراق سیریز

بلال سحرز

مستعمل ناول

منظرہ کلیم ایم اے

پاک گیٹ  
مُلَتَاٹ

یوسف برادرز

# چند باتیں

محترم قارئین - سلام مسنون فور سٹارز سلسلے کا نیا ناول "بلاسٹرز" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ فور سٹارز کا یہ نیا سلسلہ آپ نے جس بے پناہ انداز میں پسند کیا ہے مجھے یقین ہے اس سلسلے کا یہ ناول بھی آپ سب کے معیار پر ہر لحاظ سے پورا اترے گا۔ اپنی آرا سے مجھے ضرور مطلع کیجئے تاکہ اس سلسلے کو آپ کی خواہشات کے مطابق تحریر کیا جاسکے۔ لیکن ناول کے مطالعے سے پہلے اپنے چند خطوط بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

چیچہ وطنی سے راؤ وکیل احمد صاحب لکھتے ہیں۔ "پہلے بھی تین چار خط لکھ چکا ہوں لیکن آپ نے ان میں سے کسی کا بھی جواب نہیں دیا۔ شاید اس لئے کہ ان میں آپ کے ناولوں پر تنقید کی گئی تھی اگر آپ تنقید والے خطوط چند باتوں میں شائع نہیں کرتے تو پھر مجھے بتائیں کہ آپ کس قسم کے خطوط کا جواب دیتے ہیں۔"

محترم راؤ وکیل احمد صاحب۔ سابقہ تین چار اور موجودہ خط لکھنے کا بے حد شکریہ۔ آپ نے خود ہی فیصلہ کر لیا کہ چونکہ ان خطوط میں تنقید کی گئی تھی اس لئے وہ چند باتوں میں شائع نہیں ہوئے جبکہ میں خود قارئین سے یہی کہتا رہتا ہوں کہ وہ ناولوں پر تنقید ضرور کریں کیونکہ اس طرح مجھے اپنی خامیوں کا علم ہوتا رہتا ہے اور میں آپ کی آرا

اس ناول کے تمام نام مقام، کردار، واقعات اور پیش کردہ پیرائے قطعی فرضی ہیں کسی قسم کی جڑوی یا کٹی مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کیلئے پبلشرز بھصنف پرنٹرز قطعی ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

ناشران ----- اشرف قریشی

----- یوسف قریشی

پر نثر ----- محمد یونس

طابع ----- ندیم یونس پرنٹرز لاہور

قیمت ----- 45 روپے



آخر کار وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور مجرموں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے اسی طرح ہر کس کا آغاز بھی ہمیشہ اس طرح ہوتا ہے کہ کوئی مجرم یا پھر کوئی اطلاع سیکرٹ سروس کو یا عمران کو مل جاتی ہے اور کس شروع ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اگر عمران یا سیکرٹ سروس کے ممبران خود کوشش کر کے جرائم کا سراغ لگائیں تو واقعی کہانی میں حقیقت کا رنگ بنایا ہو جائے گا۔

محترم وجاہت صاحب - خط لکھنے اور کسی بھی لحاظ سے ناول پسند کرنے کا بے حد شکریہ۔ جہاں تک آپ کی پہلی بات کا تعلق ہے تو محترم جاسوسی ناولوں میں موضوع کے لحاظ سے دو انداز اختیار کئے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ دشمن اپنا منصوبہ خاموشی سے مکمل کر لیتے ہیں اور ان کے خلاف کام کرنے والے اس منصوبے کی تکمیل کے بعد ان مجرموں کو گرفتار کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا پھر مجرموں کا منصوبہ سننے ہوتا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ اسے کس انداز میں مکمل کریں گے اور ان کے خلاف کام کرنے والے مجرموں کو اس منصوبے کی تکمیل سے روکنے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ یہ دونوں ہی انداز میرے تحریر کردہ ناولوں میں آپ کو مل جائیں گے۔ جہاں تک جاسوسی ناولوں میں جاسوسیٹ اور سپینس نہ ہونے کی بات ہے تو محترم جاسوسی ادب کے قارئین کے وسیع حلقے میں ایکشن پسند کرنے والے بھی ہوتے ہیں اور صرف جاسوسی اور سپینس پسند کرنے والے بھی اور مجھے اپنے سب قارئین کا خیال رکھنا پڑتا ہے اس لئے آپ ایسے

کی روشنی میں انہیں دور کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ اگر قارئین تنقید نہ کریں گے تو مجھے اپنی خامیوں کا کیسے سہ چلے گا لیکن جسے آپ تنقید کا نام دیتے ہیں وہ صرف اتنی ہوتی ہے کہ فلاں کتاب کے فلاں صفحے پر "پیشانی" کی جگہ "پریشانی" کا لفظ لکھا گیا ہے۔ فلاں صفحے پر "ہے" کی جگہ "ہیں" لکھا گیا ہے وغیرہ وغیرہ تو محترم۔ یہ تو کمیوٹراپر کی غلطیاں ہوتی ہیں تنقید بہر حال نہیں ہوتی۔ تنقید سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ کردار نگاری، سچو نشنز، موضوع، ناول کے ٹپو، اس کی ٹریٹمنٹ میں کوئی جھول یا کوئی واقعاتی غلطی کی نشاندہی کریں۔ ایسی تنقید میرے لئے ہمیشہ مشعل راہ ہوتی ہے یا پھر کوئی ایسی دلچسپ بات خط میں لکھیں جس کا جواب سب قارئین کے لئے دلچسپی اور معلومات کا باعث بنے۔ ایسے خطوط چند باتوں میں شامل کئے جاسکتے ہیں۔ امیر ہے آپ کی ناراضگی دور ہو گئی ہوگی۔

کراچی سے وجاہت صاحب لکھتے ہیں۔ "آپ کے ناول نظر سے گزرتے رہتے ہیں لیکن مصروفیات کی وجہ سے خط نہ لکھ سکا آپ کے ناول اچھی اردو، اچھے استعارے، تشبیہات اور مزاح کے لئے پڑھنا ہوں۔ اس میں آپ کو واقعی کمال حاصل ہے البتہ آپ کے ناولوں میں اب مجھے جاسوسی نظر نہیں آتی اور نہ ہی سپینس ہوتا ہے کیونکہ ناول کے آغاز میں ہی آپ دشمنوں کا پورا منصوبہ تفصیل سے لکھ دیتے ہیں اور پھر عمران اس منصوبے اور مجرموں کے پیچھے لگ جاتا ہے اور کوئی نہ کوئی کلیو حاصل کر کے یا مجرموں کی حماقتوں سے فائدہ اٹھا کر

ناول بھی پڑھتے ہوں گے جن میں سچویشن اور کہانی کے لحاظ سے ایکشن چھایا ہوا ہوتا ہے اور ایسے ناول بھی یقیناً آپ نے پڑھے ہوں گے جن میں صرف جاسوسیت اور سسپنس موجود ہوتا ہے۔ باقی جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کیس کا آغاز کسی اطلاع یا اتفاق سے ہوتا ہے جبکہ آپ کے خیال کے مطابق عمران یا سیکرٹ سروس کو خود محنت کر کے جرائم کا سراغ لگانا چاہئے تو محترم، سراغ لگانے کے لئے بہر حال کوئی نہ کوئی اطلاع یا کسی مجرم کے نکرانے کی ضرورت تو بہر حال ہوتی ہے۔ اس کے بغیر وہ کیا محنت کریں اور کس پر کریں۔ امید ہے کہ آپ آئندہ بھی اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر خط لکھتے رہیں گے۔

اب اجازت دیجئے

والسلام

آپ کا مخلص

مظہر کلیم ایم اے

عمران نے جیسے ہی میز پر رکھے ہوئے اخباروں کے بندل میں سے ایک اخبار اٹھایا وہ بری طرح چونک پڑا۔ اخبار میں آلودگی کے خلاف واک کا ایک بڑا سا اشتہار نظر آ رہا تھا۔ اشتہار کے مطابق آج نو بجے دارالحکومت کے شمال میں واقع پہاڑیوں پر ایک واک کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ جس میں ہر طبقہ فکر کے لوگوں کو شامل ہونے کی دعوت دی گئی تھی۔ دارالحکومت میں اکثر ایسی واکس ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن مصروفیات کی وجہ سے عمران آج تک اس میں شامل نہ ہو سکا تھا۔ لیکن ان دنوں عمران فارغ تھا۔ اس لئے اشتہار دیکھتے ہی اسے فوراً خیال آیا کہ سب سابیوں سمیت اس واک میں شمولیت کی جائے۔ کیونکہ اس طرح ایک تو آلودگی کے خلاف ہونے والے احتجاج میں وہ عملی طور پر حصہ لے سکتے ہیں اور دوسرا دلچسپ تفریح بھی میسر آ سکتی تھی ابھی صبح کے سات بجے تھے اور واک شروع ہونے میں دو گھنٹے رہتے

خواہ وارڈروب میں لٹکا رکھا ہے۔..... سلیمان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا۔ کیا مطلب وہ۔ وہ کوٹ تو“..... عمران نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”کوٹ کی فکر نہ کریں میں نے اس پرانے اور ادھرے ہوئے کوٹ کا کیا کرنا تھا۔ وہ وہیں موجود ہے۔ میں تو اس کی جیب کے بارے میں کہہ رہا تھا۔ اس پر البتہ آفت ٹوٹ چکی ہے۔“..... سلیمان نے کہا۔

”یا اللہ تو ہی ہر آفت سے بچانے والا ہے۔ اب میں کیا کروں۔ میں نے تو سوچا تھا کہ اس پرانے اور پھٹے ہوئے کوٹ پر کسی کی توجہ نہیں جاسکتی ہے۔ لیکن اب نظر بد کا کیا کروں۔ جو وہاں تک بھی پہنچ جاتی ہے۔“..... سلیمان نے کہا۔

”وہ برا وقت آگیا تھا۔ ویسے آپ سے یہ کس نے کہا دیا ہے کہ صرف دو لاکھ روپے میں برا وقت ٹالا جاسکتا ہے۔ اتنی رقم میں تو ایک وقت کا ناشتہ تیار نہیں ہو سکتا۔ برا وقت تو بہر حال برا وقت ہی ہوتا ہے۔“..... سلیمان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور ٹرائی دھکیل کر واپس جانے لگا۔

”ہوں اس لئے آج خلاف توقع موڈ بے حد خوشگوار ہے۔ چاہے آفت کہو یا کچھ اور مسکراہٹ ہی مسکراہٹ ہے چہرے پر۔“..... عمران

تھے۔ اس لئے وہ آسانی سے اس میں شامل ہو سکتا تھا۔

”سلیمان۔ جناب آغا سلیمان پاشا صاحب۔“..... عمران نے ادنیٰ آواز میں سلیمان کو آواز دیتے ہوئے کہا۔

”آپ ناشتے کے لئے تو اس طرح شور مچاتے رہتے ہیں جیسے اگر ناشتہ چند منٹ بھی لیٹ ہو گیا تو قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ لیکن آپ نے کبھی اس بارے میں تو بات ہی نہیں کی کہ ناشتہ جس سامان سے تیار ہوتا ہے۔ وہ سامان کہاں سے آتا ہے۔ کتنے میں آتا ہے۔“..... سلیمان نے جو ٹرائی دھکیلتا ہوا اندر داخل ہو رہا تھا۔ منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

”جب آدمی ایک بڑی آفت قبول کر لے تو پھر چھوٹی چھوٹی آفتوں کے بارے میں اسے کوئی پرواہ نہیں رہتی اور اس زمانے میں باورچی رکھ لینے سے بڑی آفت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔“..... عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”تو پھر ناشتے پر آپ اعتراض نہ کیا کریں۔ وہ بھی تو آفت زدہ ہی ہوگا۔“..... سلیمان نے مسکراتے ہوئے کہا اور ناشتے کا سامان میز پر لگانا شروع کر دیا۔

”ناشتہ کیسے آفت زدہ ہو سکتا ہے۔ باورچی میں نے رکھا ہے۔ ناشتے نے تو نہیں رکھا۔“..... عمران نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

”آفت کے اثرات تو بہر حال سب پر پڑیں گے۔ ناشتے پر بھی اور آپ کے اس پرانے کوٹ کی اندرونی جیب پر بھی۔ جو آپ نے خواہ

نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”ظاہر ہے جب اس مہنگائی کے دور میں ایک وقت کا کھانا اگر کسی عالی شان سے ہوٹل میں بیٹھ کر کھانے کا موقع مل جائے تو کیا برا ہے۔“ سلیمان نے کہا۔

”ایک وقت کا کھانا۔ جناب پورے دو لاکھ روپے تھے اس جیب میں۔“ عمران نے ناشتہ بنانے کے ساتھ ساتھ آنکھیں ٹکلاتے ہوئے کہا۔

”ہاں دو لاکھ ہی تھے۔ صرف دو لاکھ ٹپ تو اپنی جیب سے دینی پڑے گی۔“ سلیمان نے جواب دیا اور ٹرالی دھکیلتا واپس چلا گیا۔  
”یا اللہ اگر تو انسان کے ساتھ یہ پیٹ نہ لگا دیتا تو تیرا کیا بگڑتا کم از کم باورچی تو نہ رکھنا پڑتا۔“ عمران نے رو دینے والے لہجے میں کہا اور اسی لمحے میز پر پڑے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی تو عمران نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھانیا۔

”آفت زدہ علی عمران بول رہا ہے۔“ عمران نے بڑے معصوم سے لہجے میں کہا۔

”ارے کیا ہوا عمران صاحب کون سی آفت ٹوٹ پڑی صبح صبح۔“ دوسری طرف سے بلیک زیرو کی ہنستی ہوئی آواز سنائی دی۔  
”ایک ہو تو بتاؤں۔ اب تو جدید دور ہے۔ آفت کو فلیٹ تک آنے کی ہی زحمت گوارا نہیں کرنی پڑتی۔ بس نمبر گھمائے اور آفت موجود۔“ عمران نے جواب دیا اور بلیک زیرو بے اختیار قہقہہ مار کر

ہنس پڑا۔

”اچھا تو اب میرا شمار بھی آفت میں ہو گیا ہے۔“ بلیک زیرو نے ہنستے ہوئے کہا۔

”تم کیسے شکار ہو سکتے ہو۔ شکار تو میں ہوا ہوں کہ چڑیا جیسا ناشتہ ملا ہے۔ وہ بھی اب ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“ عمران نے لفظ شمار کو شکار میں تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

”اوہ تو آپ ناشتہ کر رہے ہیں۔ میں نے فون اس لئے کیا تھا کہ آج دارالحکومت میں ایک واک ہے اور میں اس میں شامل ہونا چاہتا ہوں اگر آپ بھی ساتھ چلیں تو لطف رہے گا۔“ بلیک زیرو نے جواب دیا۔  
”لیکن میرے پاس تو پٹرول کے پیسے ہی نہیں ہیں۔ کچھ تھوڑے سے بچا کر رکھے تھے وہ جناب آغا سلیمان پاشا کے ہاتھ لگ چکے ہیں۔“ عمران نے جواب دیا۔

”واک کا مطلب ہوتا ہے پیدل چلنا اور پیدل چلنے میں پٹرول خرچ نہیں ہوتا۔“ بلیک زیرو نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اچھا اچھا پیدل واہ پھر تو واقعی پٹرول خرچ نہ ہوگا۔ لیکن میرے فلیٹ سے وہ شمالی پہاڑیاں کم از کم پندرہ بیس میل دور تو ہوں گی۔ اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ پیدل چلتے چلتے واقعی پیدل نہ ہو جائیں۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوہ ہاں۔ آپ کی بات تو درست ہے۔ وہاں تک واقعی کار میں ہی جانا پڑے گا۔ چلیئے آپ تیار ہو جائیے۔ میں آپ کو پک کر لوں گا۔ اس

سر سلطان کا کارڈ..... نوجوان نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کارڈ عمران کی طرف بڑھاتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔

"تشریف لیتے"..... عمران نے کارڈ لے کر ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا اور پھر وہ اسے لے کر ڈرائینگ روم میں آگیا۔

"فرمائیے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ لیکن ذرا خدمت کا سائز یہ سوچ کر بتائیے کہ میں اس تنگ سے فلیٹ میں رہتا ہوں"..... عمران نے کہا تو راشد بے اختیار ہنس دیا۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ میں آپ سے کوئی مالی امداد لینے کے لئے نہیں آیا"..... راشد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اوہ پھر آپ جس قدر جی چاہے سائز میں اضافہ کر لیجئے۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا"..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"صاحب کیا پیش کروں"..... اسی لمحے سلیمان نے دروازے پر آکر بڑے مؤدبانہ لہجے میں پوچھا۔

"آپ نے ناشتہ نہ کیا ہو تو ناشتہ پیش کیا جاسکتا ہے"..... عمران نے کہا۔

"اوہ نہیں جناب شکریہ میں ناشتہ کز کے آیا ہوں"..... راشد نے جواب دیا تو سلیمان سر ہلاتا ہوا واپس مڑ گیا۔

"عمران صاحب جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا ہے۔ میرا ٹرانسپورٹ کا بزنس ہے۔ میری ٹرکوں کی ایک کمپنی ہے جو بکنگ پر مال لے آتی اور لے جاتی ہے۔ خاصا وسیع کاروبار ہے۔ لیکن کچھ عرصے سے میرے

طرح آپ کا پٹرول بچ جائے گا"..... دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا۔

"میں تو سوچ رہا تھا کہ جو لیا کو ساتھ لے کر واک کروں گا۔ لیکن یہ اخبار والے بھی خواہ مخواہ سب اخباروں میں اشتہار چھاپ دیتے ہیں۔ کیا ضرورت تھی۔ سب میں اشتہار چھاپنے کی"..... عمران نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی اس نے ناشتہ کرنا شروع کر دیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر وہ ڈرائینگ روم میں گیا اور پھر لباس تبدیل کر کے وہ باہر نکلا جی تھا کہ کال بیل بج اٹھی۔ سلیمان اس وقت ناشتے کا سامان سمیٹ رہا تھا۔

"ظاہر آیا ہوگا۔ میں اس کے ساتھ جا رہا ہوں"..... عمران نے سلیمان سے کہا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا اس نے دروازہ کھولا تو بے اختیار چونک پڑا۔ کیونکہ دروازے پر ایک نوجوان کھڑا ہوا تھا۔ جس کے جسم پر انتہائی قیمتی کپڑے کا تھری پیس سوٹ تھا۔

"آپ کا نام علی عمران ہے جناب"..... نوجوان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں ہے تو یہی۔ بشرطیکہ آپ یقین کریں"..... عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میرا نام راشد ہے مجھے سر سلطان نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ میں سر سلطان کا دور کا عزیز ہوں۔ میرا ٹرانسپورٹ کا بزنس ہے۔ یہ دیکھیے



”علی عمران بول رہا ہوں“..... عمران نے کہا۔

”ظاہر بول رہا ہوں عمران صاحب آپ ناشتے سے فارغ ہو گئے ہوں تو میں آجاؤں“..... دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز سنائی دی۔

”فی الحال تم اکیلے ہی واک کر آؤ۔ مجھے آغا سلیمان پاشا نے استنا ناشتہ ہی نہیں دیا کہ میں پیدل چلنے کی ہمت کر سکوں“..... عمران نے جواب دیا اور رسیور رکھ دیا۔

”سر سلطان نے کیا تفصیل بتائی ہے آپ کو میرے متعلق۔“ عمران نے رسیور رکھ کر راشد سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

”انہوں نے یہی بتایا ہے کہ آپ بے حد مزاحیہ باتیں کرتے ہیں۔ اس لئے میں آپ کی کسی بات کا برا نہ مانوں اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ پرائیویٹ جاسوس کے طور پر بھی کام کرتے ہیں اور آپ نے بڑے بڑے پیچیدہ جرائم کا سراغ لگایا ہے“..... راشد نے جواب دیا اور پھر اس سے پہلے کہ عمران کوئی جواب دیتا۔ فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی اور عمران نے رسیور اٹھالیا۔

”پرائیویٹ جاسوس علی عمران بول رہا ہوں“..... عمران نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے راشد تمہارے پاس پہنچ چکا ہے“..... دوسری طرف سے سر سلطان کی مسکراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”پہنچ تو چکے ہیں لیکن آپ نے انہیں یہ بتا دیا ہے کہ میری فیس کتنی ہے“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ساتھ عجیب واقعات پیش آرہے ہیں کہ میرے ٹرکوں کے اندر اچانک دھماکے ہوتے ہیں اور ٹرک مال سمیت تباہ ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ میرا ٹرک ضائع ہو جاتا ہے بلکہ اس میں موجود مال کا معاوضہ مجھے پارٹی کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ ہر بار انکوائری کے بعد یہی معلوم ہوتا ہے کہ ٹرک کے اندر کوئی بم پھٹا ہے اور اس نتیجے کے بعد نہ ہی میری انشورنس کمپنی ٹرک کی انشورنس ادا کرتی ہے اور نہ اس میں موجود مال کی کیونکہ انشورنس کمپنیاں اتفاقی آتش زدگی کی انشورنس کا کلیم تو ادا کرتی ہیں۔ بم سے تباہ ہونے والے ٹرک یا مال کا کلیم ادا نہیں کرتیں۔ ایسا چھ بار ہو چکا ہے۔ میں نے پولیس کے ساتھ ساتھ دہشت گردی کے خلاف قائم کی گئی ماسک فورس کو بھی کئی بار کہا ہے کہ وہ مجرموں کو پکڑیں۔ لیکن اب تو انہوں نے خود مجھ پر شک کرنا شروع کر دیا ہے کہ شاید میں اپنے ٹرکوں کے ذریعے اسلحہ سمگل کرتا ہوں اور اتفاقاً اس اسلحے میں سے کوئی بم پھٹ پڑتا ہے۔ میں نے تنگ آکر سر سلطان سے بات کی کہ وہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں۔ تاکہ میں اس عذاب سے نجات پاسکوں اور میرا کاروبار بھی تباہ نہ ہونے پائے۔ انہوں نے مجھے یہ مشورہ دیا ہے کہ میں آپ سے ملوں۔ انہوں نے آپ کے بارے میں مجھے تفصیل بھی بتا دی ہے۔ اس لئے میں حاضر ہوا ہوں“..... راشد نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا اور پھر اس سے پہلے کہ عمران کوئی جواب دیتا۔ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی اور عمران نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھالیا۔

لمیڈ فرم ہے۔ میرے والد نے جن کا نام قیوم تھا اسے قائم کیا تھا اور اس وقت ہماری یہ کمپنی پاکیشیا میں چند بڑی کمپنیوں میں شمار ہوتی ہے۔ ہماری کمپنی کے پاس اپنے ٹرک بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہم کمیشن پر بھی ٹرک لے لیتے ہیں۔ پاکیشیا کے تقریباً ہر بڑے شہر میں ہماری کمپنی کے اپنے اڈے بھی کام کر رہے ہیں۔ جہاں تک بکنگ کا تعلق ہے۔ بکنگ پاکیشیا اور اس کے قبائلی علاقوں سب کے لئے کی جاتی ہے۔ بعض اوقات ہمسایہ ملکوں کے سرحدی شہروں کے لئے بھی بکنگ ہو جاتی ہے۔ مکمل تفصیل تو دفتر میں موجود ہوگی۔ مختصر طور پر اتنا ہی بتایا جاسکتا ہے..... راشد نے جواب دیا۔

”کتنے ٹرک تباہ ہوئے ہیں آپ کے“..... عمران نے پوچھا۔

”چھ ٹرک“..... راشد نے جواب دیا۔

”یہ چھ ٹرک کہاں کے لئے بک ہوئے تھے“..... عمران نے پوچھا۔

”ان میں سے دو ٹرک تو دارالحکومت سے مال لے کر نور پور جا رہے تھے۔ رستے میں تباہ ہوئے جب کہ دو ٹرک کافرستان کی سرحد سے مال لے کر دارالحکومت آرہے تھے کہ تباہ ہوئے۔ ایک ٹرک آران کے قریب ایک سرحدی شہر کے لئے بک ہوا تھا۔ بک دارالحکومت سے ہی ہوا تھا۔ رستے میں کسی جگہ سے مال اٹھانا تھا اس دوران وہ تباہ ہوا اور ایک ٹرک بہادرستان کی سرحد کے قریب مال لے جاتے ہوئے تباہ ہوا ہے“..... راشد نے جواب دیا۔

”سب سے پہلا واقعہ کب ہوا تھا“..... عمران نے پوچھا۔

”فیس کی فکر مت کرو۔ وہ تم جتنی بھی کہو گے مل جائے گی۔ راشد میرا دور کا عزیز ہے۔ میں اس بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا اور اس نے جو کچھ بتایا ہے۔ اس سے میرا اندازہ ہے کہ یہ کیسی تمہارے اس فورسٹار ڈروپ کا ہو سکتا ہے“..... سر سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا تو عمران بے اختیار مسکرا دیا۔

”اوہ۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ نے ریٹائرمنٹ کے بعد اپنا بزنس فیلڈ منتخب کر لیا ہے۔ بہر حال اچھا بزنس ہے“..... عمران نے کہا اور سر سلطان نے دوسری طرف سے ہنستے ہوئے رسیور رکھ دیا تھا اس لئے عمران نے بھی مسکراتے ہوئے رسیور رکھ دیا۔

”سر سلطان کا فون تھا شاید۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ آپ کو فون کریں گے۔ آپ نے فیس کی بات کی ہے۔ آپ فیس کی فکر مت کریں جو فیس آپ کہیں گے آپ کو مل جائے گی۔ آپ پلیز اس عذاب سے مجھے کسی طرح نجات دلوائیں“..... راشد نے کہا اور جیب سے ایک چٹیک بک نکال کر اسے کھول لیا۔

”ابھی نہیں۔ جب وقت آئے گا تو آپ سے فیس بھی لے لی جائے گی۔ ابھی کیس کی تفصیل تو معلوم ہو۔ یہ بتائیں کہ آپ کے ٹرک کہاں کہاں کے لئے بک ہوتے ہیں“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے سلیمان اندر داخل ہوا اور اس نے کافی کی دو پیالیاں میز پر رکھیں اور واپس چلا گیا۔

”عمران صاحب میری کمپنی کا نام قیوم گڈز ٹرانسپورٹ کمپنی ہے۔

عمران نے پوچھا۔

”ڈرائیور کلینر کی ہلاکت پر اس کے خاندان کو ہم نے اکٹھا ایک لاکھ روپیہ دیا۔ اگر وہ کرایے کے مکان میں رہتے تھے تو وہ مکان بھی کمپنی نے انہیں خرید کر دے دیا اور ہر ماہ چھ ہزار روپے ماہوار اس وقت تک دیں گے جب تک ان کا کوئی ایک بچہ خود کمانے نہیں لگ جاتا۔ انشورنس کی رقم انہیں علیحدہ ملتی ہے۔ کیونکہ ہم نے ہر ڈرائیور اور کلینر کی باقاعدہ لائف انشورنس کرائی ہوئی ہے جس کا پرمیم کمپنی خود ادا کرتی ہے“..... راشد نے جواب دیا تو عمران کے چہرے پر اس کے لئے تحسین کے آثار ابھر آئے۔

”یہ سب کچھ آپ اب کر رہے ہیں یا پہلے سے ہوتا تھا“..... عمران نے کہا۔

”میرے والد صاحب مرحوم نے جب کمپنی قائم کی تھی تو انہوں نے شروع سے یہی اصول رکھا ہوا تھا کہ وہ اپنے عملے کی ہر تکلیف اور دکھ میں برابر شریک رہتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہماری کمپنی میں جو آدمی بھی کام کرتا ہے وہ ہمارا ساتھی ہے اس کی تکلیف ہماری تکلیف ہے اور اس کی خوشی ہماری خوشی ہے اور انہوں نے مجھے بھی ہمیشہ اس کی نصیحت کی۔ ان کی وفات کے بعد میں بھی ان کے بتائے ہوئے راستے پر ہی چلتا ہوں۔ گو ان کی طرح میں ہر خوشی غمی کے موقع پر خود تو شریک نہیں ہو سکتا لیکن مالی امداد کی حد تک میں ان کے نقش قدم پر چلتا ہوں“..... راشد نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”آج سے چھ ماہ پہلے۔ اکٹھے دو ٹرک تباہ ہوئے تھے۔ پھر ایک ماہ بعد ایک ٹرک تباہ ہوا۔ پھر دس روز بعد ایک۔ اسی طرح چلتا رہا۔ آخری ٹرک اب سے چار روز پہلے تباہ ہوا ہے“..... راشد نے جواب دیا۔

”آپ کے پاس ان کے بارے میں انکوائری رپورٹیں تو ہوں گی“..... عمران نے پوچھا۔

”جی نہیں۔ پولیس کے پاس ہیں۔ جب بھی بات کر دی یہی بتایا جاتا ہے کہ نفٹشیش جاری ہے۔ آج تک ایک ملزم بھی نہیں پکڑا جا سکا۔“ راشد نے جواب دیا۔

”ٹرک کے ڈرائیور اور کلینر کا کیا کہنا ہے“..... عمران نے پوچھا۔

”سب موقع پر ہی ہلاک ہو گئے۔ کیونکہ جو ٹرک بھی تباہ ہوا ہے۔

سفر کے دوران چلتے ہوئے ہی تباہ ہوا ہے۔ عینی شاہدوں کے مطابق بس اچانک ٹرک میں ایک خوفناک دھماکہ ہوتا ہے اور ٹرک کے ٹکڑے اڑ جاتے ہیں۔ اسے اگ لگ جاتی ہے اور سب کچھ راکھ ہو جاتا ہے۔ ہمیں تو ان ٹرک ڈرائیوروں اور کلینروں کے خاندانوں کو بھی سنبھالنا پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ بے چارے تو بے قصور ہوتے ہیں اور غریب لوگوں میں کمانے والا تو ایک ہی ہوتا ہے۔ اس لئے ہم ان کی ہمدردی کی بنا پر نہ صرف ان کے خاندانوں کو مالی امداد مہیا کرتے ہیں بلکہ ہم انہیں ہر ماہ باقاعدگی سے معاوضہ بھی دیتے ہیں“..... راشد نے جواب دیا۔

”کتنا معاوضہ ہر ماہ دیتے ہیں اور کتنا آپ نے اکٹھا دیا ہے۔“

نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور راشد مسکرا دیا۔ پھر عمران اسے دروازے تک چھوڑنے خود گیا۔ اس کے باہر جانے کے بعد وہ واپس سنگ روم میں آیا اور اس نے رسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

”انکوائری پلز“..... رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔

”پولیس اسٹیشن بی ڈیوین کا نمبر دے دیں“..... عمران نے کہا تو دوسری طرف سے نمبر بتا دیا گیا۔ عمران نے شکریہ کہہ کر کریڈل دبایا اور پھر آپریٹر کا بتایا ہوا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔

”یس پولیس اسٹیشن بی ڈیوین“..... رابطہ قائم ہوتے ہی ایک خشک اور کڑھ سی آواز سنائی دی۔

”کیا نو پولیس اسٹیشن علیحدہ بنائے گئے ہیں“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”جی۔ کیا کہا آپ نے۔ کیا پولیس اسٹیشن“..... دوسری طرف سے اتہائی حیرت بھرے لہجے میں پوچھا گیا۔

”آپ نے خود ہی کہا ہے یس پولیس اسٹیشن۔ اس لئے پوچھ رہا تھا کہ یہ تو ہوا یس پولیس اسٹیشن۔ تو کیا نو پولیس اسٹیشن علیحدہ بنائے گئے ہیں“..... عمران نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

”اوہ آپ کون صاحب۔ دل رہے ہیں“..... دوسری طرف سے اس بار نرم لہجے میں کہا گیا۔

”گڈ اس خود غرضی کے دور میں آپ کا یہ عمل مجھے واقعی پسند آیا ہے اور اس لئے میں آپ کا یہ کیس بغیر کسی فیس کے لئے رہا ہوں۔ آپ اپنی کمپنی کے صدر دفتر کا کیا کسی ایسے شعبے کا پتہ دے دیں جہاں سے ان تباہ شدہ ٹرکوں کے بارے میں تفصیلات مل سکیں۔ میرا مطلب ہے کہ کہاں سے مال بک ہوا۔ کس پارٹی کا مال تھا۔ کس قسم کا مال تھا۔ ڈرائیور اور کلینر کون تھے۔ کہاں تباہ ہوا کس تھانے نے انکوائری کی۔ ایسی ہی تمام تفصیلات میرا آدمی وہاں سے کھٹ کر لے گا“..... عمران نے کہا۔

”یہ میرا کارڈ ہے جناب آپ کا آدمی مجھ سے مل لے گا۔ میں سارا ریکارڈ اسے منگوادوں گا“..... راشد نے کہا اور عمران نے کارڈ دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلادیا۔

”اب مجھے اجازت دیجئے۔ ویسے جناب آپ فیس کی قطعی فکر نہ کریں بے شک بلیٹک چیک لے لیں لیکن یہ مسئلہ سلجھا دیں“۔ راشد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”جب میں نے کہہ دیا ہے کہ یہ کیس میں نے لے لیا ہے تو پھر فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور جہاں تک فیس کا تعلق ہے تو پہلے تو شاید آپ سے فیس اگر اخراجات بھی لے لئے جاتے۔ لیکن آپ اپنے ملازموں کے ساتھ جس قسم کا حسن سلوک کرتے ہیں اس کے بعد تو فیس لینے کا سوال ہی نہیں رہتا۔ آپ کا کام کر کے ہم بھی اس ثواب کا کچھ حصہ حاصل کر لیں گے جو آپ حاصل کرتے رہتے ہیں“..... عمران

”آپ سمن بھجوانے کے لئے پوچھ رہے ہیں تو پھر میں پرنس آف ڈھمپ بول رہا ہوں معرفت وزارت خارجہ اور اگر آپ پولیس میلے کے لئے کوئی کارڈ بھجوانا چاہتے ہیں تو پھر میں علی عمران بول رہا ہوں۔ ویسے یہ تو بتائیں کہ پولیس میلے میں ہوتا کیا ہے۔ دوسرے میلوں میں تو جوئے کے سٹال لگتے ہیں۔ موت کا کنواں ہوتا ہے۔ تھیر ہوتا ہے۔ بڑی بڑی جلیبیاں کھانے کو ملتی ہیں۔ پولیس میلے میں کیا ہوتا ہے۔ کیونکہ جوا کھیلنا یا کھلانا تو ویسے بھی جرم ہے اور موت کا کنواں تو عوام کی نظروں میں تھانے کا ہی دوسرا نام ہے۔ تھیر الٹہ ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہاں ڈرامہ بے داغ جرم چل رہا ہو اور جلیبیوں کی بجائے ہتھکڑیوں کے مختلف ڈیزائنوں کی نمائش ہوتی ہوگی۔“ عمران کی زبان رواں ہو گئی۔

”آپ نے کس سے بات کرنی ہے جناب۔“..... دوسری طرف سے اس بار اکتائے ہوئے لہجے میں کہا گیا۔

”ڈی۔ ایس۔ پی یاور صاحب سے بشرطیکہ میرا بخت یاور ہوا اور وہ یس پولیس اسٹیشن بی ڈویژن میں موجود ہوں۔“..... عمران نے کہا۔ لیکن اس بار دوسری طرف سے کوئی جواب نہ دیا گیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ایک سخت سی آواز سنائی دی۔

”ڈی۔ ایس۔ پی یاور بول رہا ہوں۔“..... بولنے والے کے لہجے میں سرد مہری کا عنصر نمایاں تھا۔

”ڈی۔ ایس۔ پی یعنی ڈر سے پاجامہ۔ ادہ سمجھ گیا۔ یعنی یاور

صاحب کا ڈر سے پاجامہ گیلا ہو جاتا ہے۔ بہت خوب آج کل کی پولیس کے لئے یہ بہترین لقب ہے۔ یعنی ادھر کسی ڈاکو۔ چور۔ لٹیرے بد معاش اور غنڈے کا نام سنا ادھر یاور صاحب ڈی۔ ایس۔ پی ہو گئے۔“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ مینٹل ہاسپٹل سے تو نہیں بول رہے۔“..... دوسری طرف سے اس بار انتہائی غصیلے لہجے میں کہا گیا۔

”اچھا تو پولیس اسٹیشن کے علاوہ بھی ہوتے ہیں مینٹل ہاسپٹلز۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یوشٹ اپ نانسنس ڈیم قول۔“..... ڈی۔ ایس۔ پی یاور کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ بے اختیار گالیوں پر اتر آیا تھا اور اس کے ساتھ ہی رسیور بھی رکھ دیا گیا۔ عمران نے مسکراتے ہوئے ایک بار پھر نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

”یس۔ پولیس اسٹیشن بی ڈویژن۔“..... دوسری طرف سے وہی کرخت آواز سنائی دی۔

”ڈی۔ ایس۔ پی۔ یاور سے بات کراؤ۔“..... عمران نے اس بار تحکمانہ لہجے میں کہا۔

”یس سر۔“..... دوسری طرف سے یکفخت چوکنے ہوئے لہجے میں کہا گیا۔

”ڈی۔ ایس۔ پی یاور بول رہا ہوں۔“..... یاور کی آواز دوبارہ سنائی

دی۔

”آئی۔ جی۔ صاحب سے بات کریں۔“..... عمران نے لہجہ بدل کر

کہا اور پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ خود ہی بول پڑا۔  
 "ہیلو۔ آئی۔ جی بول رہا ہوں" عمران کے لہجے میں بے پناہ  
 تحکم تھا۔

"یس۔ یس۔ سر۔ ڈی۔ ایس۔ پی یاور بول رہا ہوں سر۔ تمہانہ بی  
 ڈویژن سے سر۔۔۔۔۔ دوسری طرف سے یاور کی انتہائی بوکھلائی ہوئی  
 آواز سنائی دی۔ ظاہر ہے انسپکٹر جنرل پولیس کی راہ راست کال شاید  
 اسے پہلی بار ہی موصول ہو رہی تھی۔  
 "تمہاری شکایت ملی ہے مجھے کہ تم فون کرنے والے کو گالیاں  
 دیتے ہو۔۔۔۔۔ عمران نے اسی لہجے میں کہا۔

"ج۔ ج۔ جی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے سر۔ میں تو سر۔ انتہائی مؤدبانہ  
 لہجے میں بات کرتا ہوں سر۔۔۔۔۔ یاور نے بھیک مانگنے والے لہجے میں  
 کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں شکایت غلط ملی ہے۔۔۔۔۔ عمران نے  
 جان بوجھ کر کہا۔

"ج۔ جی ہاں سر۔ بالکل غلط سر۔۔۔۔۔ یاور نے جواب دیا۔  
 "ہمیں بتایا گیا ہے کہ تم نے ایک انتہائی معزز آدمی کو شٹ اپ۔  
 نانسنس اور ڈھیم فول کہا ہے۔ کیا یہ غلط ہے۔۔۔۔۔ عمران نے کہا۔

"ج۔ ج۔ جی۔ جی۔ بالکل غلط ہے جناب۔ میں بھلا کسی معزز آدمی  
 کو ایسے الفاظ کیسے کہہ سکتا ہوں سر۔۔۔۔۔ یاور نے بی ڈی کے  
 ہونے لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ ظاہر۔۔۔۔۔ رہی ۔۔۔۔۔

کیسے تسلیم کر لیتا کہ اس نے یہ الفاظ کہے ہیں۔  
 "تمہارا مطلب ہے کہ کسی عام آدمی کو تم یہ الفاظ کہہ سکتے ہو۔  
 صرف معزز کو نہیں کہہ سکتے۔۔۔۔۔ عمران نے کہا۔

"نہیں۔ نہیں جناب۔ میں تو یہ کہہ ہی نہیں سکتا جناب۔" یاور  
 نے اور زیادہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔  
 "اور اگر ہم حکم دیں کہ تم خود اپنے لئے یہ الفاظ کہو تو کیا تم  
 ہمارے حکم کی تعمیل نہیں کرو گے۔۔۔۔۔ عمران نے غراتے ہوئے کہا  
 "حکم تعمیل کروں گا جناب بالکل کروں گا جناب۔۔۔۔۔ یاور اور  
 زیادہ بوکھلا گیا تھا۔

"تو کرو۔۔۔۔۔ عمران نے کہا۔  
 "مم۔ مم۔ مم۔ میں شٹ اپ۔ مم۔ میں نانسنس۔ مم۔ میں۔ ڈیم  
 فول۔۔۔۔۔ یاور نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔

"ارے ارے کیا ہوا یاور۔ یہ تم اپنے آپ کو کیوں گالیاں دے  
 رہے ہو۔۔۔۔۔ عمران نے فوراً ہی اپنے اصل لہجے میں کہا۔

"کیا۔ کیا۔ تم۔ تم۔ مم۔ میرا مطلب ہے کہ آپ آئی جی  
 صاحب۔۔۔۔۔ یاور کی حالت ہی بگڑ گئی تھی۔ اسے شاید سمجھ ہی نہ آ  
 رہی تھی کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

"علی عمران بول رہا ہوں۔ کیا اب فون پر بھی خواب دیکھنے لگ  
 گئے ہو یا تمہارا آئی جی جن بھوت سے جو جاگتے میں بھی تمہیں ڈراتا رہتا  
 ہے۔۔۔۔۔ عمران نے مسکرتے ہوئے کہا تو جند لمحوں تک دوسری

ہی تھی۔ ڈی ایس پی کا ایسا ترجمہ آپ ہی کر سکتے ہیں۔ یہ ترجمہ سنتے ہی مجھے پہچان جانا چاہئے تھا۔ بہر حال جو ہوا سو ہوا۔ فرمائیے کیسے فون کیا تھا..... یاور نے ہنستے ہوئے کہا۔ وہ اب نارمل ہو چکا تھا۔

”پہلے تو میں نے صرف سنا تھا کہ تھانہ بی ڈویژن دہشت گردی کے کیسز کی انکوائری کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے لیکن تمہاری حالت دیکھ کر اب مجھے یقین آگیا ہے کہ واقعی تم پر دہشت گردی کے سخت اثرات پڑ چکے ہیں.....“ عمران نے کہا۔

”اور یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ دہشت گردی کے چکر میں آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں بھی پڑ سکتی ہیں اور دو چار چھوٹے موٹے بم آپ کے فلیٹ سے برآمد بھی ہو سکتے ہیں.....“ یاور نے ہنستے ہوئے کہا۔

”بس دو چار۔ یہی حیثیت رہ گئی ہے ڈی۔ ایس۔ پی جیسے عہدے کی۔ میں تو سنا تھا یہ بہت بڑا عہدہ ہوتا ہے بڑا رعب دبدبہ ہوتا ہے.....“ عمران نے جواب دیا تو یاور بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

”رعب دبدبہ تو میں نے بنانے کی کوشش کی تھی لیکن آپ نے آئی۔ جی بن کر میرے سارے رعب دبدبے کا جلوس نکال کر رکھ دیا تھا میں واقعی ڈی ڈی۔ ایس۔ پی بن گیا تھا جیسا آپ نے اس کا ترجمہ کیا تھا.....“ یاور نے ہنستے ہوئے کہا اور عمران بھی اس کی اس بات پر بے اختیار ہنس پڑا۔

”ایک کمپنی ہے۔ قیوم ٹرانسپورٹ کمپنی۔ لمیٹڈ فرم ہے۔ اس کے

طرف سے کوئی جواب نہ دیا گیا۔ بلکہ صرف لمبے لمبے سانس لینے کی آواز آتی رہی۔

”یہ۔ یہ آپ بنے ہوئے تھے آئی۔ جی.....“ چند لمحوں بعد یاور کی سخت سی آواز سنائی دی۔

”اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔ تمہارے منہ میں رس کٹ گز کی شکر اور بنا سستی گئی۔ لیکن میں نے تو سنا ہے کہ پولیس والوں کی دعا ہی قبول نہیں ہوتی.....“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”عمران صاحب اگر یہ مذاق تھا تو انتہائی بھیانک مذاق تھا۔“ یاور نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”اچھا تو آئی جی فیروز مند خان کی شکل اتنی بھیانک ہے۔ کیا خیال ہے پوچھ لوں اس سے کہ بھائی کسی بیوٹی پارلر سے میک اپ تو نہیں کرالیا۔ کیونکہ دیے تو وہ خاصے خوش شکل واقع ہوئے ہیں۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ پہلے بھی فون آپ نے کیا تھا.....“ یاور نے اسی طرح غصیلے لہجے میں کہا۔

”ارے ہاں میں نے تو فون تمہیں کیا تھا۔ لیکن وہ مل گیا مینٹل ہاسپٹل کے اس وارڈ سے جہاں انگریزی میں گالیاں دینے والے رکھے جاتے ہیں.....“ عمران نے جواب دیا تو اس بار یاور بے اختیار ہنس پڑا۔

”خدا آپ سے سمجھے عمران صاحب آپ بعض اوقات ایسا مذاق کرتے ہیں کہ آدمی کا خون خشک ہو جاتا ہے۔ ویسے غلطی واقعی میری

نگرانی کر رہے ہیں لیکن ابھی تک کوئی مشکوک بات سامنے نہیں آئی۔" یادو نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"اس کے کسی کیس کی انکوائری رپورٹ تو ہو گی تمہارے پاس۔" عمران نے پوچھا۔

"ہاں سب کیسز کی ہے لیکن یہ سرکاری رپورٹ ہے۔"..... یادو کی مسکراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اوہ میں نے سوچا تھا کہ کب تک ڈی۔ ایس۔ پی بنے رہو گے چلو ڈی ہٹا دیتے ہیں..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ بات ہے تو جناب میں ابھی دست بستہ خود حاضر ہو جاتا ہوں رپورٹس سمیت"..... یادو نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میرا ایک ساتھی تمہارے پاس آئے گا۔ اس کا نام صدیقی ہے۔ وہ تم سے رپورٹس لے لے گا۔ تم اس کی کاپیاں کرا لو اور بے فکر رہو صرف ایک دعوت کھلا دینا اپنی ترقی کی"..... عمران نے کہا۔

"ایک نہیں ایک سو عمران صاحب۔ میں سپرنٹنڈنٹ فیاض کی طرح کنجوس نہیں ہوں"..... دوسری طرف سے یادو نے ہنستے ہوئے کہا اور عمران نے بھی ہنستے ہوئے اسے خدا حافظ کہا اور کریڈل دبا کر اس نے نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

"صدیقی بول رہا ہوں"..... رابطہ قائم ہوتے ہی صدیقی کی آواز سنائی دی۔

"ارے تم تو اپنے فلیٹ میں ہی ہو میں تو سمجھا تھا کسی ہوٹل میں

مالک ہیں راشد صاحب۔ وہ سر سلطان کے عزیز ہیں اور سر سلطان کے بارے میں تم اچھی طرح جانتے ہو اور یہ بھی کہ وہ میرے بزرگ ہیں۔ انہوں نے اسے میرے پاس بھیج دیا۔ اس نے بتایا کہ اس کی کمپنی کے چھ ٹرک بم کے دھماکوں سے تباہ ہو چکے ہیں۔ وہ بے حد پریشان تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ پولیس وغیرہ اس معاملے میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہی۔ میں نے اسے تو ٹال دیا ہے۔ لیکن مجھے اچانک یاد آیا کہ تم نے ایک بار بتایا تھا کہ تم تھانہ بی ڈویژن پر ڈی۔ ایس۔ پی ہو اور یہ تھانہ دہشت گردی کے واقعات کی تحقیقات کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے اس لئے میں نے سوچا کہ تم سے بات کر لوں"..... عمران نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"ان کی کمپنی چونکہ دارالحکومت میں ہے۔ اس لئے ان کے یہ سارے کیس میں نے ان تمام تھانوں سے منگوائے تھے جہاں جہاں یہ واقعات ہوئے تھے۔ میں نے اس سلسلے میں انکوائری کی ہے۔ لیکن سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ ہر ٹرک واقعی کسی طاقتور بم سے تباہ ہوا ہے اور یہ بم اس ٹرک کے اندر ہی موجود تھا۔ ہر ٹرک میں ایک ہی ساخت اور ایک ہی طاقت کا بم استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن ان بموں کے ٹکڑوں سے ماہرین یہ معلوم نہیں کر سکے کہ یہ بم کس ملک کا بنا ہوا تھا اور آیا نام بم تھا یا وائرلیس کنٹرولڈ تھا اور نہ ہی کوئی کیو مل سکا ہے۔ البتہ اب ہم نے ایسے تمام اڈوں میں اپنے آدمی بھجوا دیئے ہیں۔ جہاں سے ان ٹرکوں میں مال لوڈ ہوا تھا۔ وہ وہاں



کے پاس پہنچے تو سرسلطان نے انہیں میرے پاس بھیج دیا اور ساتھ ہی فون کر دیا کہ یہ کیس شاید فورسٹارز کا کیس بن جائے تھانہ بی ڈویژن آج کل دہشت گردی کے کیس ڈیل کر رہا ہے۔ اس لئے میں نے ڈی ایس پی یادو کو فون کیا اور اس سے رپورٹیں منگوائی ہیں۔ تاکہ شاید ان کے مطالعے سے ان وار داتوں کے بارے میں کوئی کلیو مل جائے۔..... عمران نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”اوکے۔ ٹھیک ہے میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔..... دوسری طرف سے صدیقی نے کہا اور عمران نے اوکے کہہ کر رسیور رکھ دیا۔

غندوں سے لڑ رہے ہونگے۔..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوہ عمران صاحب آپ۔ چھوٹے موٹے دھندے تو چلتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن کوئی بڑا کیس ابھی تک سامنے نہیں آیا۔ اس لئے فلیٹ میں ہی ہوں۔..... صدیقی نے جواب دیا۔

”تم اب مجھے سرسٹار تو بناتے نہیں۔ اس لئے میں نے سوچا کہ چلو فورسٹارز کے لئے کیس ہی بک کروں شاید کچھ حاصل ہو جائے۔“

عمران نے کہا۔

”آپ سرسٹار نہیں جتنا بلکہ سریم سٹار ہیں۔ جب سے آپ نے وہ نواب بہادر والا کیس مکمل کیا ہے مجھے سمجھ آگئی ہے کہ آپ کے بغیر فورسٹارز صرف دم دار سٹار ہی بنے رہیں گے۔..... صدیقی نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اوکے۔ پھر ٹھیک ہے۔ تو پھر ایسا کرو کہ تھانہ بی ڈویژن چلے جاؤ وہاں انچارج ڈی۔ ایس۔ پی یادو ہے۔ اس سے مل لو۔ وہ پہلے سنٹرل انشیلی جنس میں انسپکٹر تھا اس نے وہاں سے پولیس میں ٹرانسفر کرا لیا اور اب ڈی۔ ایس۔ پی ہے۔ اسے اپنا نام بتا دینا اور میرا حوالہ دے دینا۔ وہ تمہیں کچھ رپورٹیں دے گا۔ وہ رپورٹیں لے کر میرے فلیٹ پر آجانا۔..... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”کس قسم کی رپورٹیں ہیں یہ۔..... صدیقی نے پوچھا۔

”سرسلطان کے دور کے ایک عزیز ہیں۔ ٹرانسپورٹ کا بزنس کرتے ہیں۔ ان کے چھ ٹرک بم دھماکوں سے تباہ ہو گئے ہیں۔ وہ سرسلطان

”ایسی کوئی بات نہیں ساجن۔ کام کا آدمی کام کے وقت تو یاد آ ہی جاتا ہے۔ میری کوٹھی آ جاؤ۔ تمہارے لئے کام نکل آیا ہے۔“ آفتاب احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے جناب میں حاضر ہو جاتا ہوں“..... دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا۔ آفتاب احمد نے رسیور رکھا اور میز پر موجود انٹر کام کارسیور اٹھا کر اس کا ایک بٹن دبا دیا۔

”جی صاحب“..... دوسری طرف سے ایک مودبانہ آواز سنائی دی

”ساجن مجھ سے ملنے آ رہا ہے“..... آفتاب احمد نے کہا اور دوسری طرف سے کچھ سنے بغیر ہی اس نے رسیور رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے ہاتھ میں موجود اخبار اس نے کھولا اور اسے پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ فون آنے سے پہلے وہ اخبار پڑھنے میں ہی مصروف تھا۔ آفتاب احمد کا شمار دارالحکومت کے انتہائی معزز افراد میں ہوتا تھا۔ ان کا کمپیوٹر بزنس تھا۔ کمپیوٹر بنانے والی بڑی بڑی کمپنیوں کے پاکیشیا میں واحد بااختیار ڈیلر تھے۔ لیکن یہ سارا کاروبار ان کے آدمی کرتے تھے۔ ان کا زیادہ تر وقت بڑے بڑے ہونٹوں میں منعقد ہونے والے فنکشنز یا شہر کے معززین کی طرف سے دی جانے والی پارٹیوں میں شرکت میں ہی گزرتا تھا۔ ویسے وہ خود بھی بے شمار فلاحی انجمنوں کے صدر اور چیئرمین تھے اور وہ عوام کی فلاح کے بے شمار پراجیکٹس کے لئے دل کھول کر چہرہ دینے کے سلسلے میں بھی پورے دارالحکومت میں مشہور تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا شمار شہر کے انتہائی معزز اور باوقار طبقے میں انتہائی

ٹیلی فون کی گھنٹی بجتے ہی کرسی پر نیم دراز آدمی نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ پر موجود میز پر رکھے ہوئے فون کارسیور اٹھالیا۔

”یس آفتاب احمد بول رہا ہوں“..... اس آدمی نے بڑے باوقار لہجے میں کہا۔ ویسے وہ اپنے چہرے مہرے اور لباس سے ہی معزز آدمی دکھائی دے رہا تھا۔

”ساجن بول رہا ہوں جناب آپ کا پیغام ملا تھا“..... دوسری طرف سے ایک آواز سنائی دی۔

”ہاں کافی عرصہ ہو گیا تھا تم سے ملاقات ہوئے۔ میں نے سوچا کہ ملاقات ہو جائے لیکن تم کہیں گئے ہوئے تھے“..... آفتاب احمد نے اسی طرح باوقار لہجے میں کہا۔

”آپ کی مہربانی ہے جناب کہ آپ مجھے یاد رکھتے ہیں“..... دوسری طرف سے جواب دیا گیا۔

”میں سر“..... باوردی ملازم نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور واپس چلا گیا۔

”ساجن کافی عرصے سے خاموش ہے۔ بڑے صاحب کا کل فون آیا تھا“..... آفتاب احمد نے ملازم کے جانے کے بعد ساجن سے مخاطب ہو کر کہا۔

”آپ حکم تو کریں۔ ہم تو آپ کے حکم کے غلام ہیں جناب۔ لیکن ایک بات ہے کہ اب صورتحال بے حد غراب ہو گئی ہے۔ اس لئے اب آپ کو معاوضہ بڑھانا ہوگا“..... ساجن نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”کوئی کارنامہ سرانجام دو تو معاوضہ بھی بڑھ جائے گا۔ اب ان چھوٹے چھوٹے کاموں کا تو استہی معاوضہ دیا جاسکتا ہے“..... آفتاب احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ بتائیں کام“..... ساجن نے اشتیاق آمیز لہجے میں کہا۔

”کام تو وہی ہے پہلے والا بڑے صاحب سے کل تفصیلی بات ہوئی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ آج کل کاشمیر میں حالات کافرستان کے خلاف ہوتے جا رہے ہیں اور کافرستان کی حکومت پر دباؤ روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے اور ایسا صرف اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ پاکستانی حکومت اس سلسلے میں پوری دلچسپی لے رہی ہے۔ اندرونی سطح پر بھی اور بین الاقوامی سطح پر بھی۔ اس لئے بڑے صاحب نے اس حکومت کو اپنے مخصوص انداز میں پریشان کرنے اور الجھانے کے لئے ایک پلاننگ وضع کی ہے۔ تمہیں میں نے اسی پلاننگ کے سلسلے میں بلایا ہے۔

عزت و احترام سے لیا جاتا تھا۔ دارالحکومت کی سب سے پوش کالونی میں ان کی انتہائی عالی شان اور وسیع کوٹھی تھی۔ جہاں آفتاب احمد اپنی بیگم کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کی پہلی بیگم کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا تھا اور انہوں نے ایک ریٹائرڈ کرنل کی صاحبزادی سے دوسری شادی کی تھی۔ اس لئے ان کی اور ان کی بیگم کی عمروں میں نمایاں فرق تھا۔ ان کی بیگم بھی ان کے فلاحی کاموں میں ان کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔ خاص طور پر خواتین کی فلاح و بہبود کے کاموں میں وہ بھی بے حد دلچسپی لیتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ آفتاب احمد کی طرح ان کی بیگم بھی شہر کی معزز خواتین میں بے حد مقبول تھیں۔ اس وقت بھی ان کی بیگم کسی انجمن کی تقریب میں گئی ہوئی تھیں اور آفتاب احمد اپنی کوٹھی کے وسیع دریش عقبی لان میں کرسی پر بیٹھے اخبار کے مطالعے میں مصروف تھے۔

”السلام علیکم“..... تھوڑی دیر بعد ان کی پشت کی طرف سے آواز سنائی دی اور آفتاب احمد نے اخبار ایک طرف رکھ دیا۔

”آؤ بیٹھو ساجن“..... آفتاب احمد نے مسکراتے ہوئے کہا اور ایک ادھیڑ عمر آدمی جس کے جسم پر قیمتی کپڑے کا سوٹ تھا۔ سامنے آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسی لمحے ایک ملازم نے اسے نشوونما پر لپیٹی ہوئی مشروب کی بوتل لا کر دے دی۔

”سنو ہمیں ڈسٹرب نہ کیا جائے سمجھے“..... آفتاب احمد نے ملازم سے کہا۔

لیکن تم نے خود یہ کام نہیں کرنا۔ اس کے لئے تمہیں نئے آدمیوں کو ہائر کرنا ہوگا۔ اور کام کے بعد انہیں گولی مار دینی ہوگی۔..... آفتاب احمد نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

”پہلے آپ پلاننگ تو بتائیں۔.....“ صاحب نے پوچھا۔

”پلاننگ کے مطابق دارالحکومت کے دو بڑے سینماؤں میں اس وقت بم دھماکے کرنے ہوں گے جب سینماؤں کے شو چل رہے ہوں ان کے دس منٹ بعد شہر کی کسی بھی ایسی جگہ پر دھماکہ کرنا ہوگا جہاں بے شمار افراد موجود ہوں اور پھر ہر ایک روز چھوڑ کر دوسرے روز کسی بھی پبلک جگہ پر دھماکہ ہونا چاہئے اور یہ سلسلہ ایک ہفتے تک مزید چلنا چاہئے۔.....“ آفتاب احمد نے کہا۔

”اوہ۔ لیکن یہ تو خاصا لمبا کام ہے اور خطرناک بھی۔ ویسے بھی جب سے ریلوے اسٹیشن پر دھماکہ ہوا ہے پولیس اور حکومت ہوشیار ہو گئی ہے۔.....“ صاحب نے جواب دیا۔

”انہوں نے تو ہونا ہے۔ ان کی بات چھوڑو۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ حکومت اور پولیس ان دھماکوں کے بعد خاموش بیٹھی رہے گی۔“ آفتاب احمد نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے جناب۔ بہر حال اس پلاننگ کی تفصیلات۔ اس کے لئے مطلوبہ سامان اور پھر اس کا معاوضہ یہ سب باتیں طے کرنی ہوں گی۔.....“ صاحب نے کہا۔

”جہاں تک معاوضے کی بات ہے تو میں نے بڑے صاحب سے

بات کر لی ہے۔ معاوضہ اب اس انداز میں ملے گا کہ جتنے آدمی ہلاک ہوں گے فی آدمی معاوضہ ملے گا۔ اب تمہارا کام ہے کہ تم کتنے آدمی مار سکتے ہو۔ جہاں تک تفصیلات کا تعلق ہے۔ تم یہ تفصیلات سریندر سنگھ سے مل کر طے کر سکتے ہو۔ اس پلاننگ کا عملی انچارج وہی ہے۔.....“ آفتاب احمد نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”پیشگی بھی وہی دے گا۔.....“ صاحب نے کہا۔

”پیشگی تم کس حساب سے لو گے۔ اب ہمیں کیا سہہ کہ ہر دھماکے میں کتنے آدمی مرتے ہیں۔.....“ آفتاب نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”جناب آپ نے جو پلاننگ بتائی ہے اس کے تحت سات دھماکے ایک ہفتے میں کرنے ہوں گے۔ آپ ایک اوسط بنالیں۔ اس کے تحت پیشگی معاوضہ دے دیں۔ کیونکہ بہر حال اغراجات تو ہوں گے۔.....“ صاحب نے جواب دیا۔

”دیکھو میں تمہیں پیشگی کے طور پر دس لاکھ دے دیتا ہوں۔ باقی حساب بعد میں کر لیں گے۔.....“ آفتاب نے کہا۔

”جناب پہلے دھماکوں کے بعد تو دارالحکومت میں ایک طوفان برپا ہو جائے گا۔ اس لئے باقی دنوں میں دھماکے کرنا زیادہ مشکل ہو جائے گا اس لئے کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم سات کے ساتھ دھماکے ایک ہی روز اور ایک ہی وقت پر کر دیں۔.....“ صاحب نے کہا۔

”نہیں اس طرح دہشت کی وہ ہر شہر میں پیدا نہیں ہو سکتی جو ہم

چاہتے ہیں۔"..... آفتاب نے جواب دیا۔

"تو پھر سراپا ہو سکتا ہے کہ لمبا وقفہ دے کر دھماکے کیے جائیں یا پھر بعد کے دھماکے دیگر شہروں میں کئے جائیں۔"..... ساجن نے کہا۔

"ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ دوسرے بڑے شہروں میں دھماکے ہو سکتے ہیں۔"..... آفتاب نے جواب دیا۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔ لیکن اس طرح اخراجات بڑھ جائیں گے۔" ساجن نے کہا۔

"اخراجات کی فکر مت کرو ساجن۔ کام بے داغ اور بھرپور انداز میں ہونا چاہئے۔ بس۔"..... آفتاب نے کہا۔

"اوکے۔ پھر نکلیں بیس لاکھ روپے پیشگی پھر دیکھئے کہ ساجن کیا کام دکھاتا ہے۔"..... ساجن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم نے اب مجھے ہی بلیک میل کرنا شروع کر دیا ہے۔ دس لاکھ کی بجائے بیس لاکھ روپے بہر حال ٹھیک ہے۔ تم کام کے آدمی ہو اس لئے مجبوری ہے۔"..... آفتاب نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے

ساتھ ہی انہوں نے جیب سے ایک سادہ کاغذ نکالا۔ اس پر بیس کا ہندسہ رومن انداز میں لکھ کر اس نے کاغذ ساجن کی طرف بڑھا دیا۔

"شکریہ۔"..... ساجن نے کاغذ لیتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"خیال رکھنا کام کرنے والوں کو ختم ہو جانا چاہئے ورنہ وہ لوگ تمہاری نشاندہی بھی کر سکتے ہیں۔"..... آفتاب احمد نے کہا۔

"جناب آپ بس صرف حکم دیا کریں۔ آپ کو ہمارے کام کے

انداز کا علم ہی نہیں ہے۔ جو لوگ جا کر بم رکھتے ہیں اور فائر کرتے ہیں ان کے اور میرے درمیان کم از کم آٹھ افراد ہوتے ہیں اور کام مکمل ہوتے ہی ان میں سے نچلے چار راپٹے آف کر دیئے جاتے ہیں۔" ساجن نے کاغذ کو تہہ کر کے جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔ پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔"..... آفتاب احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ تو ظاہر ہے کریں گے۔ لیکن اگر ایک عام سے دفتر کے کھرک کی نشاندہی بھی کر دی جائے تب بھی کوئی یقین نہیں کرنے گا۔"

ساجن نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا اور آفتاب احمد نے اثبات میں سر ہلادیا۔ ساجن انہیں سلام کر کے واپس عمارت کی طرف بڑھ گیا اور

آفتاب احمد نے اطمینان کا ایک طویل سانس لیتے ہوئے ایک بار پھر اخبار اٹھا کر پڑھنا شروع کر دیا۔

تھے جو اپنے لباس اور انداز سے ڈرائیور ہی لگتے تھے میز پر دو مختلف رنگوں کے فون بھی موجود تھے۔

”آپ مینیجر ہیں“..... صدیقی نے آگے بڑھتے ہوئے اس موچکھوں والے سے مخاطب ہو کر کہا۔

”جی صاحب میں مینیجر ہوں۔ صاحب خان۔ فرمائیے کیا حکم ہے“..... صاحب خان نے خشک اور کھردرے لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

”ہمارا تعلق سپیشل پولیس سے ہے“..... صدیقی نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے جیب سے ایک کارڈ نکالا اور اسے کھول کر مینیجر کی آنکھوں کے سامنے ہرا کر اسے دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔

”اوہ اچھا۔ فرمائیے۔ ہم تو بالکل صاف ستھرا کام کرتے ہیں“۔ مینیجر نے جواب دیا۔ اس کے لہجے سے کوئی مرعوبیت یا خوف نہ جھلک رہا تھا۔

”کیا آپ ہمیں کسی علیحدہ جگہ پر وقت دے سکتے ہیں۔ کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں“..... صدیقی نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”تم دونوں باہر جاؤ اور سنو باہر کھڑے نواز کو کہہ دو کہ دو سپیشل چائے بھی اندر بھجوا دے اور کسی اور کو اندر بھی نہ آنے دے۔“ صاحب خان نے ان دونوں آدمیوں سے مخاطب ہو کر کہا اور وہ دونوں ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”چائے کی ضرورت نہیں صاحب خان صاحب ہم ڈیوٹی کے دوران

دارالحکومت سے باہر واقع ایک بڑے ٹرک اڈے میں بلا مبالغہ سینکڑوں کی تعداد میں ٹرک ادھر ادھر کھڑے تھے اور آ جا رہے تھے یہ اڈہ دارالحکومت کا سب سے مصروف اڈہ تھا اور تمام ٹرک کمپنیوں کے دفاتر اور گودام بھی یہیں بنائے گئے تھے۔ صدیقی نے کار کارخ ایک کمپنی کے دفتر کی طرف موڑا جس پر آزاد پاکیشیا گڈز ٹرانسپورٹ کا جہازی سائز کا بورڈ دور سے ہی نظر آ رہا تھا۔ کار ایک سائیڈ پر روک کر صدیقی نے دروازہ کھولا اور نیچے اتر آیا۔ سائیڈ سیٹ پر چوہان تھلہ وہ بھی نیچے آگیا تھا اور پھر وہ دونوں تیزی سے چلتے ہوئے مینیجر کے کمرے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ مینیجر بڑی بڑی موچکھوں والا ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا جس کے چہرے پر کرختگی اس طرح ثبت تھی جیسے پوری زندگی میں وہ کبھی مسکرایا تک نہ ہو۔ وہ ایک بڑی لیکن پرانی سی میز کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ سائیڈ پر چار کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جن پر دو آدمی بیٹھے ہوئے

صرف ڈیوٹی ہی دیتے ہیں۔..... صدیقی نے کہا۔

”جیسے آپ کی مرضی“..... منیجر نے اسی طرح سرد مہراندہ لہجے میں کہا۔

”صاحب خان صاحب آج سے تقریباً دو ہفتے پہلے قیوم گلڈز کا ایک ٹرک راج پور کے قریب بم کے دھماکے سے تباہ ہو گیا تھا۔ آپ کو معلوم ہوگا“..... صدیقی نے کہا۔

”جی ہاں اچھی طرح معلوم ہے جناب اس سے پہلے بھی ان کے ٹرک تباہ ہوئے ہیں اور جناب دو ٹرک ہماری کمپنی کے بھی تباہ ہو چکے ہیں اور اس طرح دو اور کمپنیوں کے ٹرک بھی تباہ ہوئے ہیں۔“ صاحب خان نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”اوہ اس کا تو ہمیں علم نہ تھا ہم تو قیوم والوں کے سلسلے میں تفتیش کر رہے تھے“..... صدیقی نے جواب دیا۔

”لیکن صاحب یہ تو آزاد پالکیشیا والوں کا ڈاڑھ ہے۔ قیوم والوں کا ڈاڑھ تو دوسری سڑک پر ہے“..... صاحب خان نے کہا۔

”ہمیں معلوم ہے۔ ہم تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ جو مال اس ٹرک میں لاد کر آیا گیا تھا اس میں ایک ایسا پیکٹ بھی تھا جسے تم نے اپنے آدمی بلند خان کے ذریعے وہاں بک کرایا تھا“..... صدیقی نے کہا تو صاحب خان بے اختیار چونک پڑا۔

”میں نے۔ نہیں جناب مجھے کیا ضرورت تھی ایسا کرانے کی۔“ صاحب خان نے جواب دیا۔

”وہ آدمی بلند خان کہاں ہے“..... صدیقی نے پوچھا۔

”بلند خان ایک ماہ پہلے یہاں لوڈر ضرور تھا لیکن پھر وہ نوکری چھوڑ کر واپس اپنے گاؤں چلا گیا۔ وہ علاقہ غیر کے کسی گاؤں کا رہنے والا تھا“..... صاحب خان نے جواب دیا۔

”کس گاؤں کا رہنے والا تھا“..... صدیقی نے پوچھا۔

”شامل نامی گاؤں بتایا تھا اس نے اور بس۔ ہم نے اس سلسلے میں زیادہ انکوائری نہ کی تھی۔ کیونکہ ہم نے اسے لوڈر رکھنا تھا۔ ڈپٹی کمشنر تو نہیں بنانا تھا“..... صاحب خان نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”اس کے گاؤں کا کوئی اور آدمی یہاں کام کر رہا ہے“..... صدیقی نے پوچھا۔

”نہیں یہاں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے“..... صاحب خان نے جواب دیا۔

”کسی اور اڈے پر ہو“..... صدیقی نے پوچھا۔

”مجھے کیا معلوم جناب۔ میں نے باقی اڈوں پر کام کرنے والوں کا یہاں رجسٹر تو نہیں کھول رکھا“..... صاحب خان نے ایک بار پھر اٹھوڑے لہجے میں کہا۔

”یہ کمپنی کس کی ملکیت ہے“..... صدیقی نے پوچھا۔

”سردار بہادر خان کی۔ وہ اسمبلی کے ممبر ہیں جناب۔ وزیر بھی رہ چکے ہیں۔ بہت بڑے آدمی ہیں۔ پولیس کے آئی۔ جی اور ڈی۔ آئی۔ جی تو ان کی کوٹھی کے دروازے پر ہی گھنٹوں کھڑے رہتے ہیں“ صاحب

پکڑا اور طیم شمیم صاحب خان ایک بار پھر بری طرح چیختا ہوا اچھل کر ایک دھماکے سے فرش پر جا گرا۔ اسی لمحے دروازہ کھلا اور ایک نوجوان تیزی سے اندر داخل ہوا۔

"خبردار باہر کو خفیہ پولیس..... صدیقی نے غراتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی اس نے جیب سے ریو لور نکال لیا اور وہ نوجوان جس تیزی سے اندر داخل ہوا تھا اسی تیزی سے باہر نکل گیا۔

"چوہان باہر جا کر انہیں سنبھالو میں ذرا صاحب خان سے پوچھ گچھ کر لوں..... صدیق! نے چوہان سے کہا اور چوہان بجلی کی سی تیزی سے باہر نکل گیا۔ اسی لمحے صدیقی کی لات حرکت میں آئی اور تیزی سے اٹھتا ہوا صاحب خان بڑے بھیاں تک انداز میں چیخ پڑا۔ لات پوری قوت سے اس کی پسلیوں پر پڑی تھی۔

"بلاؤ اپنے سردار بہادر خان کو..... صدیقی نے کہا اور پھر تو جیسے کمرے میں چیتوں اور کراہوں کا طوفان سا اگیا۔ صدیقی کی لاتیں کسی مشین کی طرح حرکت کر رہی تھیں اور چند لمحوں بعد ہی صاحب خان کی ناک اور منہ سے خون رسنے لگا اور اس کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ پیر سیدھے ہوتے چلے گئے۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ صدیقی نے اسے گردن سے پکڑا اور ایک جھٹکے سے اٹھا کر دوبارہ کرسی پر بیٹھ دیا۔ پھر اس نے ریو لور جیب میں ڈالا اور دونوں ہاتھوں سے اس کا ناک اور منہ دبا کر بند کر دیئے۔ چند لمحوں بعد جب اس کے جسم میں حرکت کے تاثرات نمودار ہونے لگے تو صدیقی نے ہاتھ چھوڑ دیئے اور تھوڑی دیر بعد

خان نے بڑے فخریہ لہجے میں کہا۔  
"اوہ اس لئے تم ایسے لہجے میں بات کر رہے ہو..... صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر ہم تمہیں گرفتار کر لیں تو کیا سردار بہادر خان تمہارے پیچھے آئیں گے..... صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"گرفتار اور صاحب خان! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ نے مزید نوکری نہیں کرنی..... صاحب خان نے اس طرح حیران ہوتے ہوئے کہا جیسے صدیقی نے انتہائی انہونی بات کر دی ہو۔

"نوکری تو واقعی ہم نے کرنی ہے..... صدیقی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اگر کرنی ہے تو بس یہ انڈیو ختم۔ اب آپ جاسکتے ہیں۔ میں نے اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں..... صاحب خان نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اوکے۔ تمہاری مرضی۔ اب ظاہر ہے سردار بہادر خان کے اڈے کے منیجر کو تو کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا..... صدیقی نے اٹھتے ہوئے کہا۔  
"آپ واقعی سمجھدار ہیں..... صاحب خان نے بے اختیار مونچھوں

کو تاؤ دیتے ہوئے کہا لیکن دوسرے لمحے کمرہ ایک زور دار تھپڑ اور صاحب خان کے حلق سے نکلنے والی چیخ سے گونج اٹھا۔ وہ صدیقی کا زور دار تھپڑ کھا کر چیختا ہوا کرسی سمیت دوسری طرف جا گرا تھا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ اٹھتا۔ دوسری طرف موجود چوہان نے اسے گردن سے



آئے تو چوہاں ہاتھ میں ریو الور لئے کھڑا تھا اور سامنے بیس بیس افراد خاموش کمرے ہوئے تھے۔ لیکن ان کے چہروں پر تجسس کے ساتھ ساتھ نفرت کے تاثرات بھی شامل تھے۔

”سب اپنا کام کر دیجئے۔ جاؤ کام کرو۔ ہمارے درمیان کچھ غلط فہمی ہو گئی تھی وہ غلط فہمی اب دور ہو گئی ہے۔“ صاحب خان نے ہاتھ اٹھا کر کہتے ہوئے کہا۔ لیکن اسی لمحے پولیس کی ایک جیپ وہاں آکر رکی اور اس میں سے ایک انسپکٹر اور چار سپاہی بھی نیچے اترے اور تیزی سے ان کی طرف بڑھنے لگے۔

”کون جھگڑا کر رہا ہے۔“ انسپکٹر نے تیزی سے کہا۔

”انسپکٹر سلام۔ دیکھو ان دونوں نے میرا کیا حال کر رکھا ہے۔ پلیز مجھے بچالو۔“ صاحب خان نے پولیس کو دیکھتے ہوئے چیخ کر کہا اور ایک جھٹکے سے دوڑ کر انسپکٹر کے قریب جا کھڑا ہوا۔

”کون ہو تم۔“ انسپکٹر نے بجلی کی سی تیزی سے سائیڈ ہولسٹر سے ریو الور نکالتے ہوئے کہا۔

”سپیشل پولیس۔“ صدیقی نے بڑے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

”کہاں ہے تمہارے کارڈ دکھاؤ اور یہ جو ریو الور تم نے پکڑ رکھے ہیں ان کے لائسنس بھی دکھاؤ۔ یہ سرکاری نہیں ہیں۔ پرائیویٹ ہیں۔“ انسپکٹر نے انتہائی غصیلے لہجے میں کہا۔

”تم جس تھانے سے آئے ہو کیا وہ قریب ہے۔“ صدیقی نے پوچھا۔

صاحب خان نے چیختے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ اس کا چہرہ ٹکف (شدت سے بری طرح صبح ہو گیا تھا۔ لمبی لمبی اور اکڑی ہوئی مونچھیں گلہری کی دموں کی طرح اب نیچے لٹک رہی تھیں۔

”ابھی ہم نے ہاتھ ذرا ہلکا رکھا ہے صاحب خان۔ ورنہ اب تک تمہارے جسم کی ایک ایک ہڈی ٹوٹ چکی ہوتی اور تمہاری آندھ زندگی فٹ پاتھوں پر پڑے بھیک مانگ کر ہی گزرتی۔ بولو۔ اب ہمارے سوالوں کے جواب دو گے۔“ صدیقی نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔

”پپ پپ پانی۔ پانی۔“ صاحب خان نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہا اور صدیقی نے ایک طرف پڑا ہوا جگ اٹھایا۔ اس میں پانی موجود تھا۔ اس نے جگ صاحب خان کے منہ سے لگا دیا اور صاحب خان اس طرح پانی پینے لگا جیسے پیسا اونٹ پانی پیتا ہے۔ کافی سارا پانی پینے کے بعد اس نے جگ منہ سے علیحدہ کر دیا اور پھر کراہنا شروع کر دیا۔

”اب اٹھو اور باہر چل کر اپنے آدمیوں سے کہو کہ وہ کوئی مداخلت نہ کریں۔“ صدیقی نے اسے بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

ہاں ہاں میں کہہ رہا ہوں مجھے کچھ نہ کہو۔“ صاحب خان نے کہتے ہوئے کہا لیکن صدیقی اسے بازو سے پکڑے ایک لحاظ سے تقریباً گھسیٹتا ہوا دروازے کی طرف لے گیا۔ دروازہ کھول کر وہ جب باہر

کے پیچھے آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جیب تھانے کی عمارت میں داخل ہو کر رک گئی اور انسپکٹر تیزی سے نیچے اتر ا۔

”آئیے جناب اب آپ بھی آجائیے۔ تاکہ مجھے ذرا تفصیل سے معلوم ہو سکے کہ آپ کا تعلق کس پولیس سے ہے“..... انسپکٹر نے نیچے اتر کر صدیقی اور چوہان سے مخاطب ہو کر بڑے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”انسپکٹر میں نیچر اسلام خان کو فون کرنا چاہتا ہوں“..... صاحب خان نے نیچے اترتے ہوئے ہی کہا۔

”کیا ضرورت ہے۔ میں جو موجود ہوں یہاں تمہارا خادم“۔ انسپکٹر نے کہا۔

”نہیں میں نے فون کرنا ہے۔ یہ ضروری ہے“..... صاحب خان نے اس بار قدرے سخت لہجے میں کہا۔ صدیقی اور چوہان نیچے اتر آئے تھے۔

”انہیں ہتھکڑیاں ڈال دو“..... انسپکٹر نے یلکھت چیخ کر ارد گرد موجود مسلح سپاہیوں سے کہا اور وہ سب ہی تیزی سے صدیقی اور چوہان کی طرف بڑھے۔ صاحب خان اس دوران سامنے موجود ایک کمرے میں جا چکا تھا۔

”رک جاؤ“..... صدیقی نے غراتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے جیب سے ایک کارڈ نکالا جس پر سرخ رنگ کا کسی دھات کا بیج بھی چپکا ہوا تھا۔

”سٹار فورس“..... صدیقی نے کارڈ انسپکٹر کی آنکھوں کے سامنے

”ہاں کیوں“..... انسپکٹر نے چونک کر کہا۔

”تو چلو اس صاحب خان کو بھی ساتھ لے چلو۔ وہاں چل کر مزید بات ہو گی۔ یہاں کھلی جگہ پر ہم تمہیں کچھ نہیں دکھا سکتے“۔ صدیقی نے جواب دیا۔

”اسلحہ مجھے دے دو“..... انسپکٹر نے کہا تو صدیقی نے اپنا ریوالور اس کی طرف بڑھا دیا۔

”تم بھی دو“..... انسپکٹر نے اب شیر ہوتے ہوئے کہا اور چوہان نے بھی اپنے ہاتھ میں موجود ریوالور انسپکٹر کی طرف بڑھا دیا۔

”چلو جیب میں بیٹھو اور تم بھی چلو صاحب خان“..... انسپکٹر نے اس بار ایسے لہجے میں کہا جیسے اس نے کوئی بہت بڑی مہم فتح کر لی ہو۔

”ہاں میں چلتا ہوں۔ تمہارے ہوتے ہوئے مجھے اب کوئی خطرہ نہیں ہے“..... صاحب خان نے کہا۔

”ہمارے پاس کار ہے۔ تم ایسا کرو ایک سپاہی کو ہمارے ساتھ بٹھا دو تاکہ ہمیں تمہانے کار استہ بتا دے“..... صدیقی نے کہا۔

”نہیں کار میرا سپاہی لے آئے گا۔ چابی دے دو۔ تم میرے ساتھ جیب میں بیٹھو“..... انسپکٹر نے کہا۔

”چلو اسی طرح کر لو“..... صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا اور جیب سے کار کی چابیاں نکال کر اس نے انسپکٹر کی طرف بڑھا دیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ صاحب خان اور انسپکٹر کے ساتھ جیب میں بیٹھے تھانے کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔ جب کہ ایک سپاہی کار چلاتا ہوا ان

”اسلم خان صاحب کہہ رہے ہیں انسپکٹر کہ ان دونوں کو حوالات میں ڈال دو۔ باقی وہ سنبھال لیں گے۔“..... صاحب خان نے انسپکٹر سے مخاطب ہو کر کہا۔

”اسلم خان کون ہے؟“..... صدیقی نے اس سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

”تمہارا باپ ہے۔“..... صاحب خان نے اکرے ہوئے کہا لیکن دوسرے لمحے وہ ایک بار پھر چیختا ہوا اچھل کر عقبی دیوار سے جا ٹکرایا۔ صدیقی کا بھرپور تھپڑ اس کے چہرے پر پڑا تھا۔

”کون ہے اسلم خان بولو۔“..... صدیقی نے غراتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ کر اس نے اٹھتے ہوئے صاحب خان کو گردن سے پکڑ کر اوپر اٹھانے کی کوشش کی ہی تھی کہ صاحب خان نے یگھت اچھل کر اس کی ناک پر ٹکڑ مارنے کی کوشش کی لیکن دوسرے لمحے وہ بری طرح چیختا ہوا فضا میں قلابازی کھا کر ایک زوردار دھماکے سے ایک طرف رکھی کر سی پر گر اور پھر کر سی سمیت نیچے فرش پر جا گرا۔

”بولو کون ہے اسلم خان؟“..... صدیقی کی لات حرکت میں آئی اور کمرہ ایک بار پھر صاحب خان کے حلق سے نکلنے والی کر بناک چیخ سے گونج اٹھا۔

”میں بتاتا ہوں جناب اسلم خان سردار بہادر خان صاحب کا شیجر ہے۔ جناب بہت با اثر آدمی ہے۔ براہ راست آئی جی اور ڈی۔ آئی۔ جی صاحبان سے اس کی دوستی ہے۔“..... اب انسپکٹر نے بڑے مودبانہ لہجے

کرتے ہوئے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔

”س۔ سنار فورس ریڈ اتھارٹی۔ اوہ اوہ سوری سر۔“..... انسپکٹر نے یگھت انتہائی بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور دوسرے لمحے اس نے بڑے بوکھلائے ہوئے انداز میں باقاعدہ سیلوٹ مار دیا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ گھبراہٹ اور پریشانی ابھر آئی تھی۔ اس کے سیلوٹ کرتے ہی دوسرے سپاہیوں نے بھی بے اختیار سیلوٹ مارنے شروع کر دیئے۔

”سر۔ سر۔ معافی چاہتا ہوں سر۔“..... انسپکٹر نے رو دینے والے لہجے میں کہا اس کی حالت واقعی بے حد خراب ہو رہی تھی۔

”وہ صاحب خان کہاں ہے؟“..... صدیقی نے کہا اور پھر تیزی سے اس کمرے کی طرف بڑھ گیا جس کے اندر صاحب خان گیا تھا۔

”خان جی۔ وہ خفیہ پولیس والے اس ڈبے کے بارے میں پوچھ رہے ہیں جو آپ نے بلند خان کے ذریعے قیوم کے اڈے پر بھجوا دیا تھا۔ وہ بلند خان کے بارے میں بھی پوچھ رہے ہیں۔“..... صاحب خان کی آواز سنائی دی وہ فون پر کسی سے باتیں کر رہا تھا اور صدقاً دروازے میں ہی رک گیا۔

”جی اچھا۔ ٹھیک ہے خان جی۔“..... اس نے دوسری طرف سے کوئی بات سن کر رسیور کریدل پر ڈالا۔ اسی لمحے صدیقی کمرے کے اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے چوہان اور چوہان کے پیچھے انسپکٹر اندر داخل ہوا

"جنتاب اس وقت وہ راحت کلب میں ہوتا ہے جنتاب۔ رات گئے تک وہ وہیں رہتا ہے"..... انسپکٹر نے جواب دیا۔

"راحت کلب۔ وہ کہاں ہے"..... صدیقی نے چونک کر پوچھا۔

"ایک پرائیویٹ ہوٹل ہے جنتاب ڈیشان کالونی کی کوئی نمبر ایک سو ایک میں جنتاب وہاں صرف کلب کے ممبرز ہی جا سکتے ہیں"..... انسپکٹر نے جواب دیا۔

"کیا تم اسلم خان کو یہاں بلا سکتے ہو"..... صدیقی نے پوچھا۔

"یہاں تو کیا جنتاب وہ ہیڈ کوارٹر بھی آنا کسر شان سمجھتا ہے"۔

انسپکٹر نے جواب دیا۔

"تو پھر ہمارے ساتھ چلو وہاں راحت کلب میں"..... صدیقی نے کہا۔

"جج جنتاب مم۔ مم میری تو نوکری چلی جائے گی۔ وہاں کوئی پولیس آفسیر داخل ہی نہیں ہو سکتا جنتاب"..... انسپکٹر نے خوفزدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"کس نے کھولا ہوا ہے یہ کلب"..... صدیقی نے پوچھا۔

"سردار بہادر خان صاحب نے جنتاب۔ اسلم خان ہی وہاں مینیجر ہے بہت بڑے بڑے لوگ وہاں آتے ہیں جنتاب اور ہر وہ کام وہاں ہوتا ہے جو باہر نہیں ہو سکتا"..... انسپکٹر نے جواب دیا۔

"اس صاحب خان کو ساتھ لے جاؤ اور راحت کلب کے گیٹ تک چلو تم اسے لے کر وہاں سے واپس آ جانا"..... صدیقی نے کہا۔

میں کہا جب کہ صاحب خان اب فرش پر پڑا کر بناک انداز میں کراہ رہا تھا۔

"وہ ڈبہ اسلم خان نے بھیجا تھا"..... صدیقی نے جھک کر فرش پر پڑے ہوئے صاحب خان کو گردن سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں۔ وہ اسلم خان نے بھیجا تھا۔ بلند خان اس کا آدمی تھا"..... صاحب خان کے منہ سے بولتے ہوئے خون کے بلبلے سے بھی نکل رہے تھے۔ اس کا چہرہ مسخ ہو رہا تھا اور آنکھیں پتھرائی ہوئی سی تھیں۔

"کیا تھا اس میں"..... صدیقی نے پوچھا۔

"مم۔ مم مجھے نہیں معلوم جنتاب بلند خان نے کہا تھا کہ مینیجر صاحب نے کہا ہے کہ میں اپنی چٹ دے کر اسے بک کر ادوں اور میں نے چٹ دے دی تھی"..... صاحب خان نے جواب دیا۔

"اور کتنے ڈبے بک کرائے تھے اسلم خان نے"..... صدیقی نے پوچھا۔

"مم مجھے صرف ایک کا معلوم ہے"..... صاحب خان نے جواب دیا اور صدیقی نے اس کی گردن چھوڑ دی اور وہ پہلے تو لڑکھڑایا پھر سنبھل گیا۔

"یہ اسلم خان کہاں ملے گا انسپکٹر"..... صدیقی نے انسپکٹر سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ٹھیک ہے جناب"..... انسپکٹر نے کہا۔

"جوہان تم کار لے کر آؤ میں انسپکٹر صاحب کے ساتھ جیپ میں بیٹھوں گا"..... صدیقی نے جوہان سے کہا اور جوہان نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر وہ سب باہر آگئے۔ چند لمحوں بعد جیپ اور کار آگے بچھے چلتی ہوئیں تھانے کی بلڈنگ سے باہر آگئیں۔

"جناب سٹار فورس کس سلسلے میں کام کر رہی ہے"..... انسپکٹر نے جوڈرائیونگ سیٹ پر تھا صدیقی سے پوچھا۔

"دہشت گردی کے خلاف اور تم پولیس آفیسر ہو اس لئے تمہیں میں نے کارڈ دکھا دیا ہے۔ اب دوبارہ یہ نام تمہاری زبان پر نہ آئے۔ اٹ از ناپ سیکرٹ۔ تم سپیشل پولیس کہہ سکتے ہو"..... صدیقی نے سر دلچے میں جواب دیتے ہوئے کہا اور انسپکٹر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جیپ کافی دیر تک مختلف سڑکوں پر دوڑنے کے بعد کار شہر کی ایک جدید کالونی ڈیشان میں داخل ہو گئی اور پھر کالونی کے درمیان ایک کافی بڑی اور وسیع کوٹھی سے کچھ دور جیپ رک گئی۔ کوٹھی کے گیٹ پر دو مسلح دربان موجود تھے اور گیٹ پر راحت کلب کا بورڈ بھی موجود تھا۔ لیکن اس پر خصوصی طور پر داخلہ محدود کے الفاظ بھی درج تھے۔

گیٹ سے کاریں اندر جا بھی رہی تھیں اور باہر بھی نکل رہی تھیں۔

"وہ کوٹھی ہے جناب"..... انسپکٹر نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اوکے اب تم اس صاحب خان کو واپس لے جاؤ اور فی الحال اسے تھانے میں رکھنا۔ ہو سکتا ہے اس کی ضرورت پڑ جائے۔ اگر ایک گھنٹے

تک ہمارا فون نہ آئے تو پھر بے شک اسے واپس بھیج دینا۔ میرا نام صدیقی ہے"..... صدیقی نے انسپکٹر سے مخاطب ہو کر کہا اور پھر جیپ سے نیچے اتر آیا۔

"یس سر"..... انسپکٹر نے کہا اور پھر وہ انتہائی تیز رفتاری سے جیپ آگے لے گیا۔ جب کہ جوہان کار لے کر صدیقی کے قریب آگیا تو صدیقی نے سائیڈ کا دروازہ کھولا اور سائیڈ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"اب کیا پروگرام ہے"..... جوہان نے صدیقی سے پوچھا۔

"یہ بات تو سہل آگئی کہ وہ ڈبہ اسلم خان نے بھجوا یا تھا اور یقیناً اس میں بم موجود تھا اسی لئے ایسا پراسرار طریقہ اپنایا گیا ہے"۔ صدیقی نے کہا۔

"اس لحاظ سے تو یہ کاروباری رقابت کا کیس بن گیا ہے۔ دہشت گردی کا تو نہ رہا"..... جوہان نے کہا۔

"دہشت گردی تو بہر حال ہے۔ اس لئے کہ ایک تو اس واردات میں بم استعمال ہوا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس طرح دھماکے سے بہر حال پبلک پر دہشت گردی کا ہی تاثر پڑتا ہے اور تیسری بات یہ کہ ان لوگوں نے بہر حال وہ بم کہیں سے حاصل کیا ہو گا یہ ہم یقیناً وائرلیس کنٹرولڈ تھا کیونکہ ٹائم بم ہوتا تو پھر اسے بک کرنے والا یا لوڈ کرنے والا اس کے اندر سے نکلنے والی گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز یقیناً سن لیتا اور وائرلیس کنٹرول بم ایک تو مقامی طور پر نہیں بنایا جاسکتا اور دوسرا وہ عام جرائم پیشہ افراد سے حاصل بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ایسا

ہم یقیناً کسی حکومت کی ہی ملکیت ہو سکتا ہے۔..... صدیقی نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

”اوہ واقعی۔ گڈ شو صدیقی تمہارا ذہن تو بڑا تیز چل رہا ہے“ سچوہان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”جس طرح کسی ٹیم کے کپتان پر دوہری ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس طرح چیف بن جانے کے بعد چیف پر بھی دوہری ذمہ داری آپڑتی ہے۔..... صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا اور چوہان بھی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بے اختیار ہنس پڑا۔

”اس منیجر اسلم کو ہر صورت میں اغوا کرنا ہوگا اور یہاں اس عمارت کے اندر سے ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے اسے کسی بہانے باہر بلانا ہوگا۔ کار کسی پبلک بوتھ کی طرف لے چلو۔..... صدیقی نے کہا اور چوہان نے کار آگے بڑھا دی اور پھر کچھ دور آنے کے بعد انہیں ایک پبلک فون بوتھ نظر آیا۔ چوہان نے اس کے قریب جا کر کار روکی تو صدیقی نیچے اترا اور فون بوتھ کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے رسیور اٹھایا اور انکو ائری کے نمبر ڈائل کر دیئے۔ کیونکہ انکو ائری کا نمبر فری تھا اس کے لئے سکے ڈالنے کی ضرورت نہ تھی۔

”انکو ائری پلزز۔..... رابطہ قائم ہوتے ہی آپرٹر کی آواز سنائی دی۔

”راحت کلب ذیشان کا نمبر دیں۔..... صدیقی نے کہا تو دوسری طرف سے ایک نمبر بتا دیا گیا۔ صدیقی نے شکریہ ادا کر کے رسیور رکھا اور پھر جیب سے سکے نکال کر اس نے ڈالے اور آپرٹر کا بتایا ہوا نمبر

ڈائل کرنا شروع کر دیا۔

”راحت کلب۔..... ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

”منیجر اسلم خان سے بات کرائیں۔ میں چیف کشنر بول رہا ہوں۔..... صدیقی نے بڑے تحکماً لہجے میں کہا۔

”یس سر۔..... دوسری طرف سے کہا گیا اور چند لمحوں بعد ایک بھاری سی آواز سنائی دی۔

”اسلم خان بول رہا ہوں۔..... بولنے والے کے لہجے میں بھی تحکم تھا۔

”مسٹر اسلم خان میں چیف پولیس کشنر سپیشل کرائمز بول رہا ہوں۔ احسن خان۔..... صدیقی نے اسی طرح بارعب لہجے میں کہا۔

”چیف پولیس کشنر سپیشل کرائمز۔ اوہ پہلی بار یہ عہدہ سنا ہے۔ بہر حال فرمائیے کیا خدمت کر سکتا ہوں۔..... اسلم خان کے لہجے میں حیرت تھی۔

”سپیشل کرائمز کا مطلب سپیشل ہی ہوتا ہے۔ بہر حال میرے دو عزیز آئے ہیں باہر سے۔ وہ کلب کے عادی ہیں۔ اس لئے انہیں آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ آپ پلیز ان کے لئے خصوصی اجازت نامے ایٹو کر دیں۔ وہ کچھ دیر بیٹھنے پلانے کے بعد واپس چلے جائیں گے۔..... صدیقی نے کہا۔

”ٹھیک ہے جتنا موسٹ ویل کم۔ آپ انہیں بھیج دیں۔ وہ گیٹ پر آپ کا نام بتا دیں۔ احسن خان بتایا ہے ناں آپ نے نام تو

نے تیزی سے قریب آکر سائیڈ سیٹ پر بیٹھے ہوئے صدیقی سے مخاطب ہو کر کہا۔

”ہم احسن خان کے عزیز ہیں“..... صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
 ”اوہ یس سر۔ یس سر۔ تشریف لے جایئے سر“..... دربان نے  
 پیچھے ہٹتے ہوئے کہا تو چوہان نے جو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا کار  
 آگے بڑھادی۔ پھر ایک سائیڈ پر موجود رنگ برنگی کاروں کے ساتھ اس  
 نے کار روکی اور وہ دونوں نیچے اتر آئے۔ ان کے جسموں پر تھری پیس  
 سوٹ موجود تھے۔ عمارت خاصی بڑی اور کشادہ تھی اور وہاں خاصی گہما  
 گہمی تھی۔ عورتیں بھی نظر آرہی تھیں۔ ڈائینگ ہال بھی تھا۔ گیم روم  
 بھی اور بار بھی۔ دوسری منزل میں شاید کمرے تھے تاکہ آنے والوں کو  
 ان کی مرضی کی سہولیات مہیا کی جاسکیں۔

”منیجر صاحب کا کمرہ کس طرف ہے“..... صدیقی نے ایک  
 خوبصورت سی ویئرٹس سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

”ادھر دائیں طرف راہداری کے آخر میں جناب“..... ویئرٹس نے  
 جواب دیا اور صدیقی نے اس کا شکریہ ادا کیا اور پھر وہ دونوں اس  
 راہداری کی طرف بڑھ گئے۔ راہداری کے اختتام پر ایک بند دروازے  
 کے باہر ایک مسلح آدمی کھڑا ہوا تھا۔ صدیقی اور چوہان کے قریب آنے  
 پر اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔ کیونکہ ظاہر ہے یہاں کسی غلط  
 آدمی کے آنے کا تو کوئی تصور نہ تھا اور یہ مسلح چوہاں بھی اسلم خان نے  
 شاید اپنے رعب و اب کے لئے کھڑا کیا ہوا تھا۔ دوسری طرف ایک بڑا

انہیں کلب میں آنے کی اجازت مل جائے گی۔ لیکن آپ سے پہلے کبھی  
 ملاقات نہیں ہوئی۔ آپ بھی آجائیں ساتھ اس طرح ملاقات ہو جائے  
 گی“..... دوسری طرف سے اسلم خان نے کہا۔

”میں دارالحکومت سے نہیں بلکہ ایک دور دراز علاقے سے بول رہا  
 ہوں۔ ایک کام کے سلسلے میں جب میں نے کوٹھی فون کیا تو میرے  
 عزیزوں نے بورسٹ کی شکایت کی تو میں نے انہیں آپ کے کلب کا بتا  
 دیا اور ساتھ کہہ دیا کہ میں فون کر دوں گا۔ وہ دونوں ملٹری میں اعلیٰ  
 آفیسر ہیں۔ بہر حال وعدہ رہا جب بھی دارالحکومت واپس پہنچا تو سب  
 سے پہلے آپ سے ملاقات ہوگی“..... صدیقی نے اس بار نرم لہجے میں  
 کہا۔

”اوہ اچھا جناب شکریہ۔ میں منتظر رہوں گا“..... دوسری طرف  
 سے کہا گیا اور صدیقی نے ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کیا اور رسیور  
 کریڈل پر رکھ دیا۔

”اندر جانے کا راستہ تو نکل آیا۔ اندر جا کر جیسا بھی موقع ہو گا ویسے  
 ہی کام کر لیں گے“..... صدیقی نے فون بوتھ سے باہر نکلتے ہوئے کہا  
 اور چوہان نے جو فون بوتھ کے کھلے دروازے کے پاس ہی کھڑا تھا۔  
 اثبات میں سر ملادیا۔ پھر تقریباً دس منٹ تک وہیں انتظار کرنے کے  
 بعد وہ دونوں کار میں بیٹھے اور انہوں نے کار راحت کلب کی طرف موڑ  
 دی۔

”جی صاحب“..... کار گیٹ کے سامنے رکتے ہی ایک مسلح دربان

یکت سہم کر خاموش ہو گئی اور وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ یہ کمرہ واقعی دفتر کے انداز میں سجایا گیا تھا۔ لیکن فرنیچر انتہائی قیمتی اور شاندار تھا۔ ایک بڑی سی دفتری میز کے پیچھے ایک ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا ہوا فون سننے میں مصروف تھا۔ اس کے جسم پر انتہائی قیمتی کپڑے کا تھری پیس سوٹ تھا۔ لیکن چہرے مہرے سے وہ زیر زمین دنیا کا آدمی نظر آتا تھا۔

”آپ۔ آپ بغیر اجازت“..... ادھیڑ عمر آدمی نے فون پیس پر ہاتھ رکھتے ہوئے انتہائی حیرت بھرے لہجے میں ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”سر میں نے انہیں روکا تھا لیکن یہ زبردستی اندر آ گئے ہیں۔“ اسی لمحے لڑکی کی دروازے سے آواز سنائی دی۔

”ہم احسن خان کے عزیز ہیں۔ آپ سے ملاقات کی خواہش تھی“..... صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوہ اچھا اچھا“..... اسلم خان کے چہرے پر نرمی اور مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے رسیور رکھ دیا اور لڑکی کو ہاتھ سے واپس جانے کا اشارہ کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”بہر حال آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ میرا نام اسلم خان ہے اور میں راحت کلب کا مینیجر ہوں“..... اسلم خان نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

”میرا نام صدیقی ہے اور یہ میرے ساتھی ہیں چوہان“..... صدیقی نے کہا تو اسلم خان نے چوہان سے بھی مصافحہ کیا اور پھر ان کے ساتھ

ساگرہ تھا جس میں صوفے رکھے ہوئے تھے ایک سائیڈ پر ایک کانفرنس روم جس کے پیچھے ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے ایک سرخ رنگ کا فون رکھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک دروازہ تھا جس پر مینیجر کا نام لکھا ہوا تھا کمرہ خالی تھا۔

”جی فرمائیے“..... اس لڑکی نے چونک کر صدیقی اور چوہان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اسلم خان اندر ہے“..... صدیقی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”جی ہاں۔ کیا آپ نے ملنا ہے“..... لڑکی نے جواب دیا۔

”کیوں کیا ملنے میں کوئی رکاوٹ ہے“..... صدیقی نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں۔ آپ اپنا نام بتائیے۔ اگر صاحب ملنا پسند کریں گے تو

آپ کو بلوالیں گے“..... لڑکی نے جواب دیا۔

”کیا وہ اندر اکیلا ہے“..... صدیقی نے پوچھا۔

”جی ہاں۔ مگر وہ مصروف ہیں“..... لڑکی نے جواب دیا۔

”اوکے۔ پھر ہم اس کی مصروفیت میں تھوڑا سا مزید اضافہ کر دیتے

ہیں“..... صدیقی نے کہا اور دروازے کو دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔

”آپ۔ آپ“..... لڑکی نے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے احتجاجاً کہنا

شروع کر دیا۔

”خاموش بیٹھنی رہو“..... چوہان نے غزاتے ہوئے کہا تو لڑکی



اسلم خان جھٹکا کھا کر پیچھے ہٹا ہی تھا کہ صدیقی کا دوسرا بازو حرکت میں آیا اور کمرہ اسلم خان کے چہرے پر پڑنے والے لئے ہاتھ کے زوردار تھپڑ اور اس کے حلق سے نکلنے والی چیخ سے گونج اٹھا۔ وہ تھپڑ کھا کر اچھل کر سائیڈ پر موجود ایک صوفے پر جا گر اٹھا۔ جوہان بھلی کی سی تیزی سے مڑ کر دفتر سے باہر نکل گیا تھا اور اسی لمحے باہر موجود لڑکی کی ہلکی سی چیخ بھی اندر سنائی دی۔ اسلم خان صوفے پر گر کر گال پر ہاتھ رکھے اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں یکتا سرخی سی چھا گئی تھی اور چہرہ غصے اور ذلت کے ملے جلے تاثرات کی وجہ سے خاصا مسخ سا نظر آنے لگا تھا۔

”اب یاد آگیا ہو گا وہ ڈبہ“..... صدیقی نے اسی طرح مسکراتے ہوئے کہا لیکن اسی لمحے اسلم خان کسی بھوکے عقاب کی طرح صدیقی پر جھپٹ پڑا۔ لیکن ظاہر ہے اس کے مقابلے میں کوئی عام آدمی نہ تھا سیکرٹ سروس کا تربیت یافتہ آدمی تھا۔ اس لئے جیسے ہی اس نے اچھل کر صدیقی کے سینے پر سر کی زوردار ٹکر مارنے کی کوشش کی صدیقی بھلی کی سی تیزی سے ایک طرف ہٹا اور بھینسنے کی طرح اٹھ کر حملہ کرنے والا اسلم خان صدیقی کے یکتا ایک طرف ہٹ جانے کی وجہ سے اپنے آپ کو نہ سنبھال سکا اور وہ سر کے بل سامنے موجود صوفے سے جا کر ٹکرایا ہی تھا کہ صدیقی کا ہاتھ بلند ہوا اور اس کی کھڑی ہتھیلی کی ضرب اسلم خان کی ریڑھ کی ہڈی پر پڑی۔ کٹاک کی آواز کے ساتھ ہی اسلم خان کے حلق سے یکتا انتہائی کر بناک چیخ نکلی اور دوسرے لمحے وہ پلٹ کر نیچے قالین پر گرا اور اس کے ہاتھ پیر سیدھے

ہی سائیڈ کے صوفوں پر بیٹھ گیا۔

”کیا پینا پسند کریں گے آپ“..... اسلم خان نے کہا۔

”ڈیوٹی کے دوران ہم پینا پسند نہیں کرتے“..... صدیقی نے جواب دیا تو اسلم خان بے اختیار چونک پڑا۔

”ڈیوٹی۔ کیا مطلب“..... اسلم خان کے چہرے پر حیرت تھی۔

”ہمارا تعلق فور سٹارز سے ہے۔ سنا ہوا ہے نام اس کا“۔ صدیقی

نے کہا۔

”فور سٹارز۔ کیا کوئی کاروباری فرم ہے۔ نہیں میں نے تو یہ نام

پہلے کبھی نہیں سنا“..... اسلم خان نے کہا۔

”چلو پہلے نہ سہی اب تو آپ نے سن لیا۔ آپ یہ بتائیں کہ جو ڈبہ

آپ نے اپنے آدمی بلند خان کے ذریعے قیوم گڈز کے ٹرک پر بک کرایا

تھا۔ اس ڈبے میں کس قسم کا بم تھا“..... صدیقی نے کہا تو اسلم خان

بے اختیار ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”یہ کیا بکواس ہے کون ہو تم۔ تمہیں جرأت کیسے ہوئی کہ یہاں

آؤ“..... اسلم خان نے غراتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے

کوٹ کی جیب سے یکتا ریو الور باہر نکال لیا۔

”ارے ارے اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے اسلم

خان“..... صدیقی نے انتہائی نرم لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن

اس سے پہلے کہ اس کا فقرہ مکمل ہوتا۔ اس کا ہاتھ بھلی کی سی تیزی سے

حرکت میں آیا اور ریو الور اسلم خان کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا

کی بھی سکت نہ ہو گی اور اس سفاک اور ظالم دنیا میں ایسا کوئی ہمدرد نہیں نہیں ملے گا۔ جو تمہاری اس حالت میں بھی خدمت کرے۔ البتہ اگر تم میرے چند سوالات کا درست جواب دے دو تو میں تمہیں ابھی ٹھیک کر دوں گا۔..... صدیقی نے اسلم خان سے مخاطب ہو کر انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”پلیز پلیز۔ خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔ مجھے ٹھیک کر دو۔ یا پھر مجھے مار دو۔ اس طرح تو میں نہ جی سکوں گا نہ مر سکوں گا۔..... اسلم خان نے انتہائی منت بھرے اور رو دینے والے لہجے میں کہا۔ اس کی ساری اکڑوں اپنی حالت کو محسوس کر کے ہی نکل گئی تھی۔

”کہہ تو رہا ہوں۔ یہ سب کچھ اب تمہارے اپنے اوپر منحصر ہے۔ درست ہو جاؤ یا اسی حالت میں رہو۔..... صدیقی نے کہا۔

”تم جو پوچھو گے۔ خدا پاک کی قسم میں سچ بتاؤں گا۔ چاہے تم مجھے پھانسی پر ہی کیوں نہ لٹوا دو۔ لیکن کم از کم میں اس حالت میں سسک سسک کر اور بے بسی کی موت نہیں مرنا چاہتا۔..... اسلم خان نے کہا۔ اس کی آنکھوں سے بے بسی کی شدت کی وجہ سے آنسو نکل پڑے تھے۔

”وہ ڈبہ جو تم نے بلند خان کے ہاتھ قیوم گڈز کے ٹرک پر اڑھینجر صاحب خان کے ذریعے بک کرایا تھا اس میں کیا تھا۔..... صدیقی نے پوچھا۔

”اس میں وائرلیس کنٹرول بم تھا اور ہم نے اس بم کے ذریعے وہ

ہوتے چلے گئے۔ وہ ساکت ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ صدیقی نے جھک کر اسے گردن سے پکڑا اور اٹھا کر صوفے پر ڈالا اور پھر اس کا منہ اور ناک دونوں ہاتھوں سے دبا کر بند کر دیا۔ چند لمحوں بعد اسلم خان کے جسم میں حرکت کے ہلکے سے تاثرات نمودار ہوئے تو صدیقی نے ہاتھ ہٹائے اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ اب اسلم خان صرف بول سکے گا۔ لیکن اس کا جسم حرکت نہ کر سکے گا اور ایسا اس نے اس لئے کیا تھا کیونکہ اسلم خان نے جس انداز میں اس پر حملہ کیا تھا اس سے صدیقی سمجھ گیا تھا کہ وہ لڑائی بھڑائی کے فن میں خاصا ماہر ہے اس لئے اسے مزید بے بس کرنے میں وقت ضائع ہو سکتا تھا۔ چند لمحوں بعد اسلم خان کرہستے ہوئے ہوش میں آیا اور ہوش میں آتے ہی اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کے جسم نے صرف معمولی سی حرکت کی اور پھر ساکت ہو گیا۔

”اب تم صرف اس وقت حرکت کر سکو گے جب میں تمہاری ریڑھ کی ہڈی کا مہرہ درست کر دوں گا ورنہ باقی ساری عمر تم اسی طرح معذور رہو گے۔ دنیا کا کوئی ڈاکٹر تمہیں ٹھیک نہ کر سکے گا۔ یہ ہماری ایک خاص تکنیک ہے اور اس کا علاج بھی ہم ہی جانتے ہیں اور اتنا تو تم سمجھ ہی سکتے ہو کہ اگر تم اسی طرح بے حس و حرکت رہے تو تمہارا کیا حشر ہو گا۔ تمہاری باقی زندگی کس قدر عبرت ناک انداز میں گزرے گی۔ تمہارا یہ بے حس و حرکت جسم کسی فٹ پاتھ پر پڑا نظر آئے گا اور مکھیاں تمہارے جسم پر بھنبھنارہی ہوں گی لیکن تم میں انہیں ہٹانے

کے سرحدی حکام سے گہرے تعلقات ہیں۔ سرحدی شہر قاسم پور میں ایک اڈے پر وہ آتا جاتا ہے۔ یہ اڈہ جانی کے اڈے کے نام سے مشہور ہے۔ جانی اس علاقے کا بڑا بد معاش ہے۔ وہ سریندر سنگھ اور اس جیسے دوسرے سمگلروں کو تحفظ بھی دیتا ہے۔ ان کے مال کا سودا بھی کراتا ہے اور اپنا حصہ لیتا ہے۔ اس جانی کے ذریعے سریندر سنگھ سے ملاقات ہوئی اور اس سے میں نے وائرلیس کنٹرول بم اور انہیں استعمال کرنے کے لئے میں نے اپنے آدمی کافرستان بھیجے..... اسلام خان واقعی تیر کی طرح سیدھا ہو گیا تھا۔

”سریندر سنگھ کا پاکیشیائی نام کیا ہے“..... صدیقی نے پوچھا۔  
”لعل خان“..... اسلام خان نے جواب دیا۔

”جانی کا اڈہ کہاں ہے اس کی تفصیل“..... صدیقی نے پوچھا۔  
”وہ مشہور اڈہ ہے۔ ایک بڑی حویلی ہے۔ وہاں کا بچہ بچہ اسے جانتا ہے“..... اسلام خان نے جواب دیا اور صدیقی نے اثبات میں سر ہلادیا اور پھر مزید پڑے ہوئے فون کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے فون سیٹ کے نیچے لگے ہوئے بٹن کو پریس کر کے فون کو ڈائریکٹ کیا اور پھر رسیور اٹھا کر اس نے تیزی سے نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

”علی عمران۔ ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) ازراہ کرم بزبان خود بول رہے ہیں“..... رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے عمران کی جھپکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”عمران صاحب میں صدیقی بول رہا ہوں چیف آف فور سٹارز۔“

ٹرک اڑا دیا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہم نے قیوم والوں کے پانچ اور ٹرک بھی اسی طرح اڑائے تھے“..... اسلام خان نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”کیوں“..... صدیقی نے پوچھا۔

”وہ کمپنی ہماری کمپنی سے آگے جا رہی تھی اس لئے اس کمپنی کو تباہ کرنے کے لئے ہم نے یہ ساری کارروائی کی تھی“..... اسلام خان نے جواب دیا۔

”یہ پلاننگ کس کی تھی“..... صدیقی نے پوچھا۔

”میری۔ ملک میں بموں کے دھماکے ہو رہے تھے۔ اس لئے میں نے اس آڑ میں یہ کام کر دیا تاکہ کسی کو ہم پر شبہ نہ ہو سکے“..... اسلام خان نے جواب دیا۔

”تمہارا مالک سردار بہادر خان بھی اس پلاننگ میں شریک تھا“..... صدیقی نے پوچھا۔

”اس نے صرف حکم دیا تھا کہ قیوم والوں کا کاروبار تباہ ہو جانا چاہئے اور بس۔ باقی کام میں نے کیا تھا“..... اسلام خان نے جواب دیا۔

”بم تم نے کہاں سے حاصل کئے تھے“..... صدیقی نے پوچھا۔

”سریندر سنگھ نامی ایک کافرستانی سمگلر ہے۔ اس سے“..... اسلام خان نے کہا۔

”کہاں ہے وہ۔ اس کا مکمل پتہ“..... صدیقی نے پوچھا۔

”وہ سمگلر ہے۔ آتا جاتا رہتا ہے۔ اسلئے کاہی سمگلر ہے۔ سنا ہے اس

لوگ بھی سہم جاتے ہیں..... صدیقی نے عمران کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”راحت کلب یہ کون سا کلب ہے اور کہاں ہے“..... عمران نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”ایک پرائیویٹ کلب ہے۔ ذیشان کالونی کو ٹھی نمبر ایک سو ایک اے بلاک۔ اسلم خان اس کا منیجر ہے۔ پس اس کے دفتر سے ہی بول رہا ہوں“..... صدیقی نے کہا۔

”تم میک اپ میں ہو یا اصل شکل میں ہو“..... عمران نے پوچھا  
”میں اور چوہان یہاں موجود ہیں اور میک اپ میں ہیں“۔ صدیقی نے جواب دیا۔

”اوکے۔ میں تھانہ بی ڈویژن کے انچارج ڈی ایس پی یاور کو بھجواتا ہوں وہاں۔ باقی کام وہ خود ہی سنبھال لے گا۔ تم اپنا نام اسے صدیقی ہی بتانا۔ میں اسے سمجھا دوں گا۔ وہ تم سے غیر ضروری سوال نہیں کرے گا سمجھدار آدمی ہے۔ اس کے پہنچنے کے بعد تم یہاں میرے فلیٹ پر آجانا“..... عمران نے کہا۔

”ٹھیک ہے اسے منیجر کے دفتر میں بھجوا دیں اور جلدی۔ ورنہ کسی بھی وقت یہاں مداخلت ہو سکتی ہے“..... صدیقی نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

”مم۔ مم مجھے ٹھیک کر دو۔ خدا کے لئے مجھے ٹھیک کر دو“۔ اسلم خان نے اسی طرح روتے ہوئے کہا۔

صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”شفیف مطلب ہے انچارج باورچی اور وہ بھی فور سنارز صدیقی کا۔ واہ پھر تو آج ساگودانے کی کھیر پکانے کی ترکیب پوچھنے کا موقع مل ہی گیا۔ وہ ہمارے باورچی صاحب ہیں آغا سلیمان پاشا صاحب۔ ویسے تو اپنے آپ کو آل درلڈ باورچی ایسوسی ایشن کا صدر کہتے ہیں لیکن انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ساگودانے کی کھیر پکاتے ہوئے پہلے ساگودانہ دھویا جاتا ہے یا دودھ“..... عمران کی زبان رواں ہو گئی۔

”دودھ تو دھویا نہیں جاتا عمران صاحب“..... صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”چلو دھویا نہیں جاسکتا تو ڈرائی کلین کرائیں گے۔ اس طرح اس کے سکڑنے اور رنگ غراب ہونے کا اندیشہ بھی ختم ہو جائے گا لیکن“..... عمران کی زبان ایک بار پھر رواں ہو گئی۔

”عمران صاحب پلزز۔ اس وقت وہ آپ کے قیوم گڈز والوں کا بڑا مجرم میرے سلسلے بے بس ہوا پڑا ہے۔ یہ راحت کلب کا منیجر ہے اور راحت کلب سردار بہادر خان کا کلب ہے۔ وہاں کسی عام آدمی کو داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔ اس مجرم نے سارے ٹرکوں میں بم استعمال کرنے کا اعتراف کر لیا ہے۔ یہ سب کچھ کاروباری رقابت کی بنا پر کیا گیا ہے۔ کیونکہ سردار بہادر خان کی بھی گڈز کمپنی ہے جس کا نام آزاد پاکیشیا ہے۔ اب اس کا کیا کرنا ہے۔ پولیس کو بلانا فضول ہے کیونکہ سردار بہادر خان کا نام سننے ہی آئی جی۔ ڈی آئی جی جیسے عہدوں کے

”اسے میں نے بے بس کر دیا ہے۔ اس لئے اس نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ میں اسے ابھی ٹھیک بھی کر دیتا ہوں۔ لیکن یہ دیکھ لیجئے کہ اگر تھانے جا کر یہ مکر گیا اور سردار بہادر خان بھی اثر و رسوخ والا آدمی ہے۔“..... صدیقی نے کہا۔

”آپ فکر نہ کریں میرا نام یاد ہے۔ فرض کے سلسلے میں نے کبھی صدر مملکت کی پرواہ نہیں کی۔ سردار بہادر خان کی کیا حیثیت ہے اور جہاں تک اس کے مکر کے تعلق ہے۔ اس کی بھی فکر نہ کریں میرے تھانے پہنچتے ہی یہ بچ بولے گا۔“..... یاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوکے“..... صدیقی نے کہا اور اس نے بے بس پڑے ہوئے اسلام خان کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور پشت کے بل لٹا دیا۔ دوسرے لمحے اس نے مخصوص انداز میں کھڑی ہتھیلی کا زور دار وار اس کی ریڑھ کی ہڈی پر کیا تو ایک بار پھر کٹاک کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی اسلام خان کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

”لیجئے یہ ٹھیک ہو گیا ہے۔ ابھی چند لمحوں میں اس کا جسم درست طور پر حرکت کرنے لگے گا۔ اسے آپ ہتھکڑی لگالیں۔“..... صدیقی نے چیخے ہٹتے ہوئے کہا اور یاد نے جلدی سے اسلام خان کے دونوں بازو عقب میں کر کے کلپ ہتھکڑی لگا دی اور چند لمحوں بعد واقعی اسلام خان کے جسم میں حرکت کے تاثرات نمودار ہونے لگے اور تھوڑی دیر بعد وہ واقعی کراہتا ہوا اٹھ کر نہ صرف بیٹھ گیا بلکہ صدیقی نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا تو چند لمحوں تک لڑکھانے کے بعد وہ سنبھل گیا۔

”فکر مت کرو۔ جیسے ہی ڈی۔ ایس۔ پی یاد رہاں آئے گا۔ میں تمہیں ٹھیک کر دوں گا۔“..... صدیقی نے کہا اور پھر وہ دفتر سے باہر آ گیا یہاں لڑکی ایک صوفے پر سرکڑی سہمی بیٹھی ہوئی تھی جب کہ چوہان ہاتھ میں ریوالتور اٹھائے اس کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ صدیقی نے اسے مختصر طور پر بتایا تو چوہان کی آنکھیں فور سنارز کا کیس مکمل ہونے پر بے اختیار جمک اٹھی تھیں۔ پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور ایک نوجوان پولیس آفیسر اندر داخل ہوا۔ اس کے کاندھے پر ڈی۔ ایس۔ پی کے سنارز موجود تھے اس کے پیچھے دو مسلح سپاہی بھی تھے۔

”آپ کا نام۔“..... صدیقی نے پوچھا۔

”میرا نام یاد ہے۔ میں تھانے بی ڈویژن کا انچارج ہوں۔ عمران صاحب نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔“..... یاد نے تیز لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔ آئیے میرے ساتھ آپ کا ملزم اندر موجود ہے۔“ صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا اور یاد کو ساتھ لے کر اندرونی دفتر میں پہنچ گیا۔ جہاں صوفے پر اب بھی اسلام خان بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

”یہ اسلام خان ہے اس راحت کلب کا منیجر۔“..... صدیقی نے کہا۔

”مجھے عمران صاحب نے تمام تفصیل بتا دی ہے۔ لیکن یہ اس طرح بے حس و حرکت کیوں پڑا ہوا ہے۔ آنکھیں تو اس کی کھلی ہوئی ہیں۔ اس لئے بے ہوش تو نہیں ہو سکتا۔“..... یاد نے حیران ہو کر کہا۔

”دیکھو میں نے وعدہ پورا کر دیا ہے اسلم خان اب تم جانو اور ڈی۔  
ایس۔ پی یاور“..... صدیقی نے اسلم خان سے کہا۔  
”آپ کی مہربانی جتنا“..... اسلم خان نے جواب دیا۔  
”اوکے۔ یاور صاحب اب ہمیں اجازت“..... صدیقی نے کہا اور  
یاد نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر وہ اسلم خان کو بازو سے پکڑ کر چلاتا  
ہوا باہر آگیا۔

”آؤ“..... صدیقی نے چوہان سے کہا اور وہ دونوں بھی تیز تیز قدم  
اٹھاتے اس کمرے کے دروازے سے باہر آگئے۔ باہر ہر شخص اپنی اپنی  
مستی میں مست تھا۔ کسی کو معلوم ہی نہ تھا کہ اندر کیا ہو گیا ہے۔ وہ  
دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے سیدھے کار کی طرف بڑھے اور چند لمحوں بعد  
ان کی کار راحت کلب کے گیٹ سے باہر نکلی اور صدیقی نے جو  
ڈرائیونگ سیٹ پر تھا اسے دائیں طرف موڑ دیا۔  
”اب کہاں جانا ہے“..... چوہان نے پوچھا۔  
”عمران صاحب نے اپنے فلیٹ پر بلایا ہے“..... صدیقی نے  
جواب دیا اور چوہان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

دور دور تک پھیلے ہوئے کھیتوں کے درمیان دیہاتی انداز کی بنی  
ہوئی ایک کافی بڑی حویلی کی طرف جانے والی کچی سڑک پر ایک جیپ  
مٹی کے گولے اڑاتی تیزی سے آگے بڑھی چلی جا رہی تھی۔ ڈرائیونگ  
سیٹ پر ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ جب کہ سائیڈ سیٹ پر ساجن تھا۔  
”یہ اچھا ہوا کہ لعل خان اڈے پر موجود ہے باس“..... ڈرائیونگ  
سیٹ پر بیٹھے ہوئے نوجوان نے سائیڈ سیٹ پر بیٹھے ہوئے ساجن سے  
مخاطب ہو کر کہا۔

”ہاں“..... ساجن نے مختصر سا جواب دیا۔ تھوڑی دیر بعد جیپ  
حویلی کے بغیر گیٹ کے کھلے دروازے میں داخل ہو گئی۔  
حویلی کی دونوں سائیڈوں پر کمرے تھے۔ جن کے سامنے کھلا برآمدہ تھا۔  
جب کہ تیسری سائیڈ پر بڑے بڑے گیراج بنے ہوئے تھے۔ جب کہ  
دروازے کے ساتھ والی دیوار کے ساتھ جانور بندھے ہوئے تھے۔

گئے۔ جہاں فرش پر ایک دری پٹھی ہوئی تھی اور بڑے بڑے تکیے وہاں بڑے ہوئے تھے۔ وہاں ایک لمبے قد اور ٹھوس جسم کا آدمی اپنے سامنے شراب کی بوتل رکھے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے جسم پر بھی دہاتی لباس ہی تھا۔ لیکن اس نے سر پر بڑی سی پگڑی بھی باندھی ہوئی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”اوہ لعل خان بڑے عرصے بعد ملاقات ہو رہی ہے تم سے۔“  
ساجن نے اس آدمی کی طرف بڑھتے ہوئے بڑے بے تکلفانہ لہجے میں کہا  
”ہاں ساجن۔ واقعی کافی عرصہ ہو گیا ہے۔ میرا خیال ہے ایک ماہ تو ہو ہی گیا ہوگا۔“..... اس نوجوان نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر ساجن نے اس نوجوان سے بڑے گرمجوشانہ انداز میں مصافحہ کیا۔  
”یہ میرا ساتھی ہے لطیف پہلے ملاقات تو ہے تم دونوں کی۔“ ساجن نے اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔“..... لعل خان نے کہا اور اس نے لطیف سے بھی اسی طرح بڑے گرمجوشانہ انداز میں مصافحہ کیا اور پھر وہ سب دری پر بیٹھ گئے۔  
جانی نے ایک الماری سے شراب کی بوتلیں نکالیں اور انہیں کھول کر اس نے ایک ایک بوتل ساجن اور لطیف کے سامنے رکھی اور ایک خود لے کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک تو ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔

”ہاں تو لعل خان اس بار میں نے سوچا کہ اپنے یار کو لمبا ہی مال دیا جائے۔“..... اچانک ساجن نے مسکراتے ہوئے لعل خان سے مخاطب ہو کر کہا۔

حویلی کے وسیع و عریض صحن میں بڑی بڑی چار پائیاں پڑی ہوئی تھیں جن پر دہاتی لوگ موجود تھے۔ ان میں چند بیٹھے ہوئے تھے جب کہ کافی لوگ لیٹے ہوئے تھے۔ حقے کے دور چل رہے تھے۔ خالص دہاتی انداز کا ماحول تھا۔ جیپ کو دیکھ کر وہ سب چونک کر ادھر دیکھنے لگے جیپ کو ایک سائیڈ پر روک کر ساجن اور وہ نوجوان نیچے اترے تو ایک طرف بنے ہوئے برآمدے میں سے ایک لطیف شخیم اور پہلوان نما دہاتی آدمی باہر نکلا۔ اس کا لباس تو دہاتی ہی تھا لیکن کپڑے اور جوتا خاصا قیمتی تھا۔

”اوہ میرا یار ساجن آیا۔ جی آیاں نوں۔“..... اس پہلوان نما آدمی نے بڑے مسرت بھرے لہجے میں کہا اور آگے بڑھ کر ساجن سے لپٹ گیا۔

”یار جانی تو تو روز بروز سانڈ کی طرح پھیلتا ہی جا رہا ہے۔ کہیں رسم زمان بننے کا تو ارادہ نہیں ہے۔“..... ساجن نے ہنستے ہوئے کہا اور پہلوان نما آدمی جو جانی تھا بے اختیار ہنس کر علیحدہ ہو گیا۔

”اب بھی تیرا یار کسی سے کم نہیں ہے۔ آؤ۔“..... جانی نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر وہ ساجن کا ہاتھ پکڑے اسی طرف کو چل پڑا جدھر سے وہ نمودار ہوا تھا۔

”آؤ لطیف۔“..... ساجن نے اپنے ساتھ آنے والے نوجوان سے کہا جو ہاتھ میں ایک بریف کیس پکڑے کھڑا تھا اور وہ نوجوان بھی سر ہلاتا ہوا ان دونوں کے پیچھے چل پڑا۔ وہ تینوں ایک بڑے کمرے میں پہنچے

ہوں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ جس قسم کے وائرلیس کنٹرول بم اور جس طاقت کے تم نے طلب کیے ہیں۔ یہ صرف فوج کے لئے ہی مخصوص ہیں اور ان کی انتہائی سخت نگہداشت بھی کی جاتی ہے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کیا اس قدر طاقتور بم اور وہ بھی اکٹھے سات۔ کیا پورے پاکستان کو تباہ کرنے کا ارادہ ہے۔..... لعل خان نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ان باتوں کو چھوڑو لعل خان۔ صرف اپنے مطلب کی حد تک بات کیا کرو۔ یہ انتہائی حساس معاملات ہوتے ہیں۔.....“ ساجن نے اس بار قدرے سرد لہجے میں کہا۔

”اوہ سوری واقعی مجھ سے غلطی ہو گئی بہر حال کب چاہئے تمہیں یہ مال۔.....“ لعل خان نے بھی سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

”تم کب تک دے سکتے ہو۔.....“ ساجن نے جواب دیا۔

”جب تم کہو۔.....“ لعل خان نے کہا۔

”مجھے تو ابھی دے دو۔.....“ ساجن نے کہا تو لعل خان ہنس پڑا۔

”اب تم نے میری طرح احمقانہ بات کر دی ہے ساجن۔ یہ مال

ایک ہفتے بعد مل سکتا ہے اس سے پہلے نہیں اور یہ بھی بتا دوں کہ

ایک دانہ پچاس لاکھ روپے کا ہوگا۔ اس سے ایک پیسہ بھی کم نہیں

ہوگا۔.....“ لعل خان نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”اس کا مطلب ہے کہ کسی اور سے بات کی جائے۔.....“ ساجن

نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”ارے ارے خواہ مخواہ لٹھ گئے ہو تم دونوں۔ ساجن تم بتاؤ کتنا

”یار بھی پیچھے نہ ہٹے گا ساجن۔ حکم تو کرو۔.....“ لعل خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”سات گولے چاہئیں۔ اکٹھے سات اور خصوصی طاقت کے

ساجن نے کہا اور ساتھ ہی اس نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر لعل

خان کی طرف بڑھا دیا۔

”اکٹھے سات۔ کیا پورے دارالحکومت کو ہی اڑانے کا ارادہ

ہے۔.....“ لعل خان نے مسکراتے ہوئے کہا اور کاغذ ساجن کے ہاتھ

سے لے لیا۔ پھر اس نے کاغذ کھول کر اسے غور سے دیکھنا شروع کر دیا

اس کی آنکھیں ہلکی سی سکڑ گئی تھیں اور پیشانی پر بھی لکیریں ابھر آئی

تھیں۔

”یہ تو سپیشل کوالٹی ہے ساجن۔.....“ لعل خان نے اس بار

ہوٹ چباتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”ہاں اسی لئے تو یہاں آیا ہوں۔ ورنہ اب عام چیزیں تو اور بہت سی

جگہوں سے مل جاتی ہیں۔.....“ ساجن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”لیکن ساجن یہ تو صرف فوج کے استعمال میں آتے ہیں۔ اس لئے

ان کے لئے تو لمبا ہی مال خرچ کرنا پڑے گا۔.....“ لعل خان نے کہا۔

”اب یار سے بھی دکانداری کرے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے

ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔.....“ ساجن نے مسکراتے ہوئے کہا تو لعل خان

تجے اختیار ہنس پڑا۔

”میں دکانداری نہیں کر رہا اور تم جیسے آدمی سے کر بھی کیسے سکتا



بریف کیس بند کیا اور پھر اسے اٹھائے وہ کھڑا ہوا اور تیز تیز قدم اٹھاتا  
بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"آج واپس جاؤ گے"..... ساجن نے کہا۔

"ہاں رات کو نکل جاؤں گا۔ فکر نہ کرو ہفتے بعد مال مل جائے گا۔  
لعل خان جو بات کرتا ہے سوچ سمجھ کر ہی کرتا ہے"..... لعل خان  
نے جواب دیا اور ساجن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تھوری دیر بعد جانی  
اندر داخل ہوا تو اس کے پیچھے دو ملازموں نے ٹرے جن پر کپڑے  
پڑے ہوئے تھے اٹھائے ہوئے تھے۔

"آؤ کھانا تیار ہو گیا ہے کھالیں"..... جانی نے کہا۔

"تم بھی پورے دکاندار ہو جانی۔ جب تک نوٹ اندر نہیں گئے۔  
کھانا بھی باہر نہیں آیا"..... ساجن نے مسکراتے ہوئے کہا اور کمرہ  
قہقہوں سے گونج اٹھا۔ پھر وہ سب کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔  
کھانے کے بعد ایک بار پھر شراب کا دور چلنے لگا۔ اسی لمحے کمرے کا  
دروازہ کھلا اور ایک دہبائی اندر داخل ہوا۔

"کیا بات ہے رمضو"..... جانی نے چونک کر پوچھا۔

"جناب ایک جیب حویلی کی طرف آرہی ہے۔ اس میں چار افراد

موجود ہیں۔ جو چاروں ہی اجنبی ہیں۔ جیب پر دارالحکومت کا نمبر ہے۔

ہم نے خصوصی مشین پر چیکنگ کی ہے"..... رمضو نے جواب دیا۔

"دارالحکومت کا نمبر اجنبی لوگ کتنے فاصلے پر ہیں"..... جانی نے

ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

دے سکتے ہو"..... اب تک خاموش بیٹھے ہوئے جانی نے فوراً ہی باز  
کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"دس لاکھ فی دانہ اور بس۔ اس سے ایک پیسہ بھی زیادہ نہیں  
ہوگا"..... ساجن نے کسی ماہر دکاندار کی طرح بھڑاتاؤ کرتے ہوئے  
کہا۔

"استافرق تو نہیں ہو سکتا ساجن۔ یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ لعل  
خان تم آخری بات کرو جو رعایت تم کر سکتے ہو وہ بتاؤ سودا ہو  
چلے"..... جانی نے کہا۔

"چالیس لاکھ آخری قیمت"..... لعل خان نے جواب دیا۔

"چلو میری خاطر تیس لاکھ کر دو۔ چلو مان جاؤ اور تم بھی  
ساجن"..... جانی نے دونوں کو مناتے ہوئے کہا۔

"ہیں تو بہت زیادہ بہر حال جانی کی وجہ سے ٹھیک ہیں"۔ ساجن  
نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوکے پھر نکالو پیشگی"..... لعل خان نے کہا تو ساجن نے لطیف  
کو اشارہ کیا تو لطیف نے ہاتھ میں پکڑا ہوا بریف کیس لعل خان کی  
طرف بڑھا دیا۔

"اس میں ایک کروڑ روپے ہیں"..... ساجن نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ جانی اسے رکھ لو"..... لعل خان نے کہا اور جانی  
نے بریف کیس پکڑا۔ اسے کھولا۔ اس میں واقعی بڑی مالیت کے  
نوٹوں کی گڈیاں تھیں درتہہ رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے سر ملاتے ہوئے

لوگوں بعد جیپ ایک جھٹکے سے آگے بڑھی اور دوڑتی ہوئی حویلی سے باہر نکل گئی۔

”سنو! جنسی افراد آ رہے ہیں۔ اس لئے تمام چیزیں خفیہ سنوروں میں پہنچا دو۔ یہاں کچھ نہیں ہونا چاہئے۔“..... جیپ کے باہر جاتے ہی جانی نے تیز لہجے میں چار پائیوں پر بیٹھے ہوئے افراد سے کہا اور وہ سب تیزی سے اٹھے اور ادھر ادھر کروں کی طرف دوڑ پڑے۔

”ابھی کافی دور ہیں۔ یہاں تک پہنچتے پہنچتے ایک گھنٹہ لگ جائے گا انہیں۔“..... رمضو نے جواب دیا۔

”میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔“..... ساجن کے ساتھ ساتھ لطیف نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔

”ہاں تم تبادلہ راستے سے چلے جاؤ۔ اس صورت میں تمہارا اور ان کا ٹکراؤ نہ ہوگا۔ ہو سکتا ہے ریجنرز کے کوئی نئے افسر ہوں۔ ایسے لوگ اکثر آتے ہی رہتے ہیں۔“..... جانی نے کہا۔

”میں بھی چلتا ہوں جانی۔ میں رات تک روڈو کے ڈیرے پر پہنچ جاؤں گا۔ رقم مجھے دو۔“..... لعل خان نے بھی اٹھتے ہوئے کہا پھر وہ بھی ساجن اور لطیف کے ساتھ ہی کمرے سے باہر آگیا۔ جانی ہونٹ چباتا ہوا ان کے پیچھے کمرے سے باہر آگیا۔ پھر ساجن اور لطیف اپنی جیپ میں بیٹھ کر حویلی سے باہر نکل گئے جب کہ جانی نے اپنے ملازموں کو کمرے سے برتن اٹھانے کے لئے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ایک طرف چلا گیا۔ جب کہ اس دوران لعل خان نے ایک گیراج کھول کر اس میں سے ایک سیاہ رنگ کی جیپ باہر نکالی اور پھر گیراج بند کر دیا۔ اسی لمحے جانی واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں بریف کیس موجود تھا۔

”میں نے اپنا حصہ لے لیا ہے۔ باقی اسی میں ہیں۔“..... جانی نے بریف کیس لعل خان کو دیتے ہوئے کہا اور لعل خان نے سر ہلاتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ کو اٹھایا اور نیچے موجود خانے میں بریف کیس رکھ کر اس نے سیٹ سیدھی کی اور پھر اس پر اچھل کر بیٹھ گیا۔ چند

کرتے..... صدیقی نے کہا۔

”پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ حویلی یقیناً دور دور تک پھیلے ہوئے کھیتوں کے درمیان ہوگی اور جو آدمی بھی ادھر جائے گا وہ کئی میلوں سے شناخت ہو جائے گا۔ وہاں توں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس لئے نگرانی والا تو تصور ہی غلط ہے۔ باقی رہی ریڈ والی بات تو تمہارا خیال ہے کہ وہ سمگر صاحب اپنی جیب میں بم ڈالے وہاں آتے ہوں گے..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”وہ سمگر تو بہر حال ہے۔ اسے پکڑا تو جا سکتا ہے۔ پھر اس سے سب کچھ اگوا یا جا سکتا ہے..... صدیقی نے کہا۔

”ہاں لیکن عدالت میں اس کے خلاف کیا ثابت کرو گے۔ ظاہر ہے نہ کوئی مال برآمد ہوگا اس سے اور ایسے لوگ رقم خرچ کر کے یہاں کے مستقل شہری ہونے کے اصل کاغذات بھی تیار کرالیتے ہیں۔ اس طرح تم اسے سمگر بھی ثابت نہ کر سکو گے..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بات تو آپ کی ٹھیک ہے۔ لیکن پھر ہم وہاں کیا کرنے جا رہے ہیں..... صدیقی نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”اصل غذا کا ذائقہ چکھنے.....“ عقبی سیٹ پر بیٹھے ہوئے چوہان نے کہا اور صدیقی سمیت سب بے اختیار ہنس پڑے۔

”میں وہاں ریڈ کرنے نہیں جا رہا۔ تجھے۔ ہم وہاں گاہک بن کر جائیں گے.....“ عمران نے کہا تو صدیقی بے اختیار چونک پڑا۔

جیب تیزی سے جانی کی حویلی کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر صدیقی تھا۔ جب کہ سائیڈ سیٹ پر عمران اور عقبی سیٹوں پر چوہان نعمانی اور خادر موجود تھے۔ سوائے عمران کے باقی چاروں میک اپ میں تھے۔

”یہ ضروری تو نہیں عمران صاحب کہ وہ سمگر سریندر سنگھ ہر وقت حویلی میں موجود ہو.....“ صدیقی نے کہا۔

”تمہارا مطلب ہے پہلے ہم کافرستان جائیں۔ وہاں سریندر سنگھ کو تلاش کریں پھر اسے جانی کی حویلی بھیجیں اس کے بعد اسکے پیچھے پیچھے حویلی میں آئیں.....“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا تو صدیقی بے اختیار ہنس دیا۔

”میرا یہ مطلب نہ تھا۔ بلکہ میرا مطلب یہ تھا کہ ہم پہلے جا کر وہاں نگرانی کرتے اور جب وہ سمگر وہاں موجود ہوتا اس وقت وہاں ریڈ

میں ہیں۔ میں انہیں اطلاع دیتا ہوں مہمانوں کی۔ آپ کہاں سے آئے ہیں..... دیہاتی نے کہا۔

”دارالحکومت سے“..... عمران نے کہا اور دیہاتی نے اثبات میں سر ہلادیا۔ چند لمحوں بعد وہ ایک کمرے میں پہنچ گئے جہاں فرش پر دری بچھی ہوئی تھی اور گاؤں کیے رکھے ہوئے تھے۔

”بیٹھیں جناب میں جانی کو اطلاع دیتا ہوں“..... اس دیہاتی نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ عمران اور اس کے ساتھ دری پر بیٹھ گئے۔ ”یہاں کچھ دیر پہلے شراب نوشی کی جاتی رہی ہے اور شراب بھی غیر ملکی تھی“..... خاور نے ناک سکوڑتے ہوئے کہا۔

”ضرور ہوتی رہی ہوگی۔ تمہیں تو علم ہے کہ کون لوگ یہاں آتے رہتے ہیں“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا اور باقی افراد نے اثبات میں سر ہلادیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک پہلوان بنا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کے جسم پر لباس تو دیہاتی ہی تھا لیکن کپڑا خاصا قیمتی اور نیا تھا عمران اور اس کے ساتھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

”السلام علیکم۔ جناب میرا نام جانی ہے اور یہ ڈیرہ میرا ہے۔ مجھے میرے ملازم نے بتایا ہے کہ آپ مہمان ہیں اور دارالحکومت سے آئے ہیں۔ مجھے آپ کی آمد پر بے حد خوشی ہوئی ہے“..... جانی نے بڑے خوشدلانہ لہجے میں کہا۔

”میرا نام علی عمران ہے اور یہ میرے ساتھی ہیں“..... عمران نے کہا اور ساتھ ہی اس نے صدیقی اور دوسرے ساتھیوں کا ان کے اصل

”گاہک بن کر لیکن کیا وہ اجنبی افراد پر اعتماد کر لیں گے“۔ صدیقی نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”میں نے ٹپ کا بندوبست کر لیا ہے۔ تم فکر مت کرو“۔ عمران نے کہا اور صدیقی نے اثبات میں سر ہلادیا۔ تھوڑی دیر بعد انہیں دور سے حویلی نظر آنے لگ گئی۔

”واقعی اس کے گرد تو دور دور تک کھیت پھیلے ہوئے ہیں یہاں تو خفیہ نگرانی ہو ہی نہیں سکتی“..... صدیقی نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا اور عمران نے اثبات میں سر ہلادیا۔ تھوڑی دیر بعد ان کی جیب حویلی میں داخل ہو گئی۔ حویلی کا ماحول خالص دیہاتی تھا۔ چار پائیوں پر افراد موجود تھے۔ حقے پیئے جا رہے تھے۔ صدیقی نے ایک سائیڈ پر جیب روکی اور پھر عمران سمیت وہ سب نیچے اتر آئے۔ ایک دیہاتی تیزی سے ان کی طرف لپکا۔

”آپ کون ہیں“..... اس دیہاتی نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”مہمان“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا تو دیہاتی چونک پڑا اس کے چہرے پر یکھٹ نرمی کے تاثرات ابھر آئے۔

”اوہ فرمائیے۔ مہمانوں کے لئے تو یہ دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے“..... دیہاتی نے کہا اور انہیں لے کر ایک برآمدے کی طرف بڑھ گیا۔

”جانی تمہارا نام ہے“..... عمران نے اس سے پوچھا۔

”جانی۔ اوہ نہیں جناب میں تو اس کا ملازم ہوں وہ زنان خانے

ناموں کے ساتھ تعارف کرادیا۔ جانی نے بڑے گرمجوشانہ انداز میں عمران سمیت سب سے مصافحہ کیا اور پھر وہ ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ چند لمحوں بعد دو ملازم اندر آئے ان کے ہاتھوں میں ٹرے تھے۔ جن میں گرم دودھ سے بھرے ہوئے بڑے دیہاتی گلاس تھے۔ انہوں نے ایک ایک گلاس عمران اور اس کے ساتھیوں کے سامنے رکھ دیا اور باہر چلے گئے۔

"میں نے تو سنا ہے کہ اب دیہات میں بھی چائے پینے کا رواج ہو گیا ہے"..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ نے درست سنا ہے جناب لیکن جانی کے ڈیرے پر دودھ ملتا ہے۔ مجھے چائے ذاتی طور پر پسند نہیں ہے۔ ویسے آپ حکم دیں تو چائے تیار کراؤں کیونکہ مہمانوں کے لئے تو ہماری جان بھی حاضر ہے"۔ جانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ نہیں شکریہ"..... عمران نے کہا اور دودھ کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگالیا۔ نیم گرم خالص دودھ واقعی بے حد خوش ذائقہ تھا۔

"آپ کھانے میں کیا پسند کریں گے"..... جانی نے کہا۔

"تم نے ہمارے متعلق تو تفصیلات پوچھی ہی نہیں کہ ہم کون ہیں یہاں کیسے آئے وغیرہ وغیرہ"..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جب ایک لفظ مہمان سامنے آجائے تو پھر یہاں ہمارے دیہات میں مزید کچھ نہیں پوچھا جاتا۔ آپ جب تک چاہیں یہاں رہیں۔ یہ ڈیرہ

آپ کا ہے"..... جانی نے بڑے خلوص بھرے لہجے میں کہا۔  
"لیکن ہم مہمان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خاص کام کے سلسلے میں بھی آئے ہیں"..... عمران نے کہا تو جانی بے اختیار چونک پڑا۔  
"خاص کام۔ کس سے کام ہے یہاں"..... جانی نے حیران ہو کر کہا۔

"تم سے"..... عمران نے کہا تو جانی اور زیادہ چونک پڑا۔  
"مجھ سے۔ لیکن آپ سے تو میری پہلی ملاقات ہے۔ پھر مجھ سے کیسے آپ کو کوئی کام پڑ سکتا ہے"..... جانی نے کہا۔

"سردار بہادر خان کے منیجر اسلم خان کو تو جانتے ہی ہو"۔ عمران نے کہا تو جانی بے اختیار اچھل پڑا۔

"اسلم خان اوہ۔ اوہ۔ ہاں اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ میرا بڑا گہرا دوست ہے"..... جانی نے جواب دیا۔

"یہ دیکھو یہ اس نے نشانی دی ہے تمہارے لئے"..... عمران نے جیب سے ایک پیتل کی بنی ہوئی انگوٹھی نکال کر جانی کی طرف بڑھا دی۔ پرانی سی انگوٹھی تھی جس پر رنگ کی جگہ سپاٹ تھی اور اس پر ایک عقاب بنا ہوا تھا۔ یہ ایسی انگوٹھی تھی جو عام دیہاتی میلوں میں فروخت کی جاتی تھی۔ کیونکہ دیہاتی لوگ ایسی انگوٹھیاں بے حد شوق سے پہنتے ہیں۔

"اوہ ٹھیک ہے یہ میں نے ہی اسے دی تھی اسے یہ پسند آگئی تھی"..... جانی نے جواب دیا۔

کام اس کے ذمے لگایا جائے گا۔ وہ واپس جا کر پھر واپس آئے گا۔ اس لئے اتنے دن تو لامحالہ لگ جائیں گے۔..... جانی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”کیا کوئی ایسی صورت نہیں ہے کہ اسے اطلاع مل جائے اور وہ دس روز بعد آئے تو ہمارا کام کر کے آئے۔..... عمران نے کہا۔“  
”نہیں جتناب صرف مخصوص لوگ ہی آجاسکتے ہیں ورنہ تو بے حد سختی ہوتی ہے۔..... جانی نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے پھر ہم دس روز بعد آجائیں گے۔..... عمران نے کہا۔“  
”ہاں یہ زیادہ بہتر ہے۔ اس طرح لعل خان سے آپ براہ راست بات کر لیں گے لیکن ایک بات بتا دوں کہ وہ رقم اپنی مرضی کی لیتا ہے اور جو رقم ملے ہو جائے ادھی پیشگی لے لیتا ہے یہ اس کا اصول ہے۔..... جانی نے کہا۔“  
”ہم سالم رقم اسے پیشگی دے دیں گے۔ اسلم خان نے ہمیں مکمل

اعتماد دلایا ہے۔..... عمران نے جواب دیا۔“  
”ٹھیک ہے۔ پھر تو یقیناً آپ کا کام ہو جائے گا۔..... جانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تو پھر ہمیں اجازت۔..... عمران نے اٹھتے ہوئے کہا۔“  
”ارے نہیں آپ کھانا کھا کر جائیں گے۔..... جانی نے کہا۔“  
”نہیں پھر جب آئیں گے تو وعدہ رہا کہ کھانا بھی کھائیں گے۔“  
عمران نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر جانی انہیں جیب تک چھوڑنے

”کالے دانے چاہئیں۔..... عمران نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے پراسرار لہجے میں کہا اور جانی بے اختیار اچھل پڑا۔

”کالے دانے۔..... جانی کے بھرے پر بے پناہ حیرت تھی۔“  
”ہاں تین دانے۔ اسلم خان نے بتایا ہے کہ لعل خان کے ذریعے ہمارا کام ہو سکتا ہے۔..... عمران نے کہا۔“  
”لیکن آپ ان کا کیا کریں گے۔..... جانی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

”ایک کاروباری پارٹی نے اپنی ایک مخالف کاروباری پارٹی کے دفاتر مع بلڈنگ تباہ کرانی ہے۔ آج کل دارالحکومت میں چونکہ بم دھماکوں کی روچل رہی ہے۔ اس رو میں کام ہو جائے گا۔..... عمران نے کہا۔“  
”اوہ ٹھیک ہے۔ لیکن کتنی طاقت کے ہوں دانے۔..... جانی نے کہا۔

”درمیانی طاقت کے۔..... عمران نے جواب دیا۔“  
”ٹھیک ہے۔ لیکن دو ہفتوں بعد ہی کام ہو سکتا ہے۔ اس سے پہلے نہیں۔..... جانی نے کہا۔

”دو ہفتے تو کافی وقت ہے۔..... عمران نے کہا۔“  
”اصل میں آپ ایک روز دیر سے آئے ہیں۔ لعل خان کل رات ہی یہاں سے واپس گیا ہے۔ اگر آپ کل آجاتے تو آپ کا کام جلدی ہو جاتا لعل خان کا پھر اوس روز بعد ہوتا ہے۔ اب وہ دس روز بعد آئے گا۔ پھر

آیا اور صدیقی نے جیب سنارٹ کی اور اسے لے کر حویلی سے باہر آگیا۔  
 ”دس روز گزارنے پڑیں گے“..... صدیقی نے کہا۔  
 ”ہاں اصل آدمی وہی سریندر سنگھ عرف لعل خان ہے“۔ عمران  
 نے جواب دیا۔

”میرا خیال ہے کہ اصل آدمی یہی جانی ہی ہے۔ اس سے ہمیں ان  
 سب کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکتی ہیں جو اسلم خان کی  
 طرح اس لعل خان سے ہم وغیرہ حاصل کرتے ہیں“۔ عقبی سیٹ پر  
 بیٹھے ہوئے خاور نے کہا۔

”ہاں ہو تو سکتا ہے۔ لیکن اگر دونوں اکٹھے ہوں تو پھر زیادہ آسانی  
 سے معلومات مل سکتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس سریندر سنگھ کے اپنے  
 براہ راست رابطے بھی ہوں“..... عمران نے کہا اور باقی ساتھیوں نے  
 اثبات میں سر ہلا دیئے۔

کلب کا ہال انتہائی خوبصورت انداز میں سجا ہوا تھا۔ وہاں  
 روشنیاں انتہائی مدھم رکھی گئی تھیں اور ہال میں موجود افراد اس طرح  
 بیٹھے ہوئے تھے جیسے وہ محبے ہوں کیونکہ وہ بہت آہستہ آہستہ آپس میں  
 باتیں کر رہے تھے۔ البتہ وہاں تقریباً سب ہی میزوں پر غیر ملکی شراب  
 کے جام موجود تھے۔ ہال کا ماحول اس خاموشی اور کم روشنی کی وجہ سے  
 خاصا خواب آگیاں سا محسوس ہو رہا تھا۔ کونے میں ایک میز پر اس وقت  
 آفتاب احمد موجود تھا۔ اس کے سامنے ایک انتہائی خوبصورت لڑکی  
 بیٹھی ہوئی تھی اور وہ دونوں اس طرح آہستہ آہستہ باتوں میں مصروف  
 تھے جیسے بڑے طویل عرصے کے بعد ان کی ملاقات ہوئی ہو۔ ساتھ  
 ساتھ وہ شراب کی چسکیاں بھی لیتے جا رہے تھے کہ اچانک ایک ویٹر  
 قریب آیا اور اس نے ایک خوبصورت سی پلیٹ آفتاب کے سامنے رکھی  
 اور خاموشی سے واپس چلا گیا۔ آفتاب نے چونک کر پلیٹ میں رکھے

چوبک کر پوچھا۔

”کل یہیں“..... آفتاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور لڑکی کے سر ملانے پر وہ تیزی سے مڑا اور تیز تیز قدم اٹھاتا بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ چونکہ وہ کلب کا مستقل ممبر تھا۔ اس لئے یہاں اسے کسی قسم کی پیمنٹ وغیرہ نہ کرنی پڑتی تھی سالانہ چندے کے طور پر بھاری رقم ہر ممبر سے وصول کر لی جاتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس کی کار کلب کی عمارت سے نکل کر اپنی رہائش گاہ کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی کیونکہ چیف اس طرح کی کال صرف اس وقت کیا کرتا تھا جب کوئی لمبی گزربڑھو جائے۔ کوٹھی پہنچ کر وہ سیدھا اپنے دفتر پہنچا اور اس نے الماری سے ایک خاص قسم کا ٹکسڈ فریکوئینسی کا ٹرانسمیٹر نکالا اور اس کا ایک بٹن دبا دیا۔ ٹرانسمیٹر سے مخصوص آواز نکلنے لگی۔

”ہیلو ہیلو آفتاب کالنگ اوور“..... آفتاب نے بار بار کال دینا شروع کر دی۔

”میس رائٹور انٹنگ یو اوور“..... چند لمحوں بعد وہی پہلے والی آواز سنائی دی۔

”سب اوکے ہے جتنا فرمائیے۔ اوور“..... آفتاب نے کہا۔

”جہاز آدمی سا جن جانی کے اڈے پر جا کر سریندر سنگھ سے ملا تھا اور اسے ڈیمانڈ دے دی تھی۔ لیکن اسی لمحے جانی کو اطلاع ملی تھی کہ کوئی جیپ اس کے اڈے کی طرف آرہی ہے جس میں چار پانچ اجنبی

ہوئے کاغذ کو دیکھا اس پر صرف ایک لفظ لکھا ہوا تھا فون۔

”میں ابھی آیا ہوں“..... آفتاب نے مسکراتے ہوئے اس لڑکی سے کہا اور کرسی سے اٹھ کر تیز تیز قدم اٹھاتا کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا جس کے ساتھ ہی خصوصی فون روم تھا۔ فون روم کا دروازہ بند کر کے اس نے چٹختی لگا دی۔ یہ فون روم ساؤنڈ پروف تھا۔ اس لئے اب آواز باہر نہ سکتی تھی۔ فون کارسیور ایک طرف رکھا ہوا تھا۔ آفتاب احمد رسیور اٹھایا۔

”میس آفتاب احمد بول رہا ہوں“..... آفتاب کے لہجے میں بے پناہ تحکم تھا۔

”رائٹور بول رہا ہوں“..... دوسری طرف سے ایک بھاری سی آواز سنائی دی اور آفتاب بے اختیار چونک پڑا۔

”آپ“..... آفتاب کے لہجے میں بے پناہ حیرت تھی۔

”اپنی کوٹھی پہنچو۔ سپیشل دے پر بات ہوگی“..... دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا۔ آفتاب نے ہونہار دباتے ہوئے رسیور رکھا اور پھر فون روم کا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور سیدھا اپنی میز کی طرف بڑھ گیا۔

”سوری ہنی۔ ایک انتہائی اہم بزنس ڈیل کی وجہ سے مجھے فوراً جانا ہے میں معذرت خواہ ہوں“..... آفتاب نے اس لڑکی سے مخاطب ہو کر کہا۔

”اوہ اچھا ٹھیک ہے۔ پھر کب ملاقات ہوگی“..... لڑکی نے



ہے لیکن مجھے حیرت صرف اس بات پر ہوئی ہے کہ سیکرٹ سروس تو ایسے معاملات میں ہاتھ نہیں ڈالا کرتی اس لیے وہ عمران ان معاملات میں کیوں کام کر رہا ہے اور..... رائٹو نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

”لیکن باس اگر وہ آدمی خطرناک بھی ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے اس سے ہمارے کام کا کیا تعلق اور..... آفتاب نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”بظاہر تو کوئی لنک نہیں ہے لیکن اگر مجھے معلومات نہ ملتیں تو یہ لنک پیدا ہو جاتا اور..... رائٹو نے کہا۔

”کیا مطلب کیسا لنک باس اور..... آفتاب نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”سردار بہادر خان کے اس آدمی جس کا نام اسلم خان ہے۔ اس نے سریندر سنگھ سے وائرلیس کنٹرول بم حاصل کیے تھے۔ جن سے اس نے اپنی کسی مخالف کاروباری ٹرانسپورٹ کمپنی کے ٹرک تباہ کرائے تھے۔ چونکہ یہ کام بھی دہشت گردی کی صف میں آگیا تھا اس لیے ہم نے اس سلسلے میں کوئی مداخلت نہ کی تھی۔ اسلم خان کی گرفتاری کا مطلب ہے کہ علی عمران اور اس کا گروپ جو یقیناً سیکرٹ سروس کا ہی کوئی گروپ ہوگا۔ دہشت گردی کی کاروائیوں کے خلاف کام کر رہا ہے اور اگر مجھے یہ معلومات نہ ملتیں تو سریندر سنگھ جیسے ہی سات بم لے کر وہاں پہنچتا اور تمہارا آدمی ساجن انہیں وصول کرنے وہاں پہنچتا وہ

افراد موجود ہیں سب تانچہ ساجن اور سریندر سنگھ فوراً ہی وہاں سے نکل گئے۔ سریندر سنگھ نے دوسرے اڈے پر جا کر مجھے اس کی اطلاع دی۔ میں نے بعد میں جانی سے بات کی۔ تو جانی نے بتایا کہ وہ آفتاب اس کے ایک بااعتماد آدمی کی ٹپ لے کر آئے تھے اور انہیں تین چاہئے تھے۔ جانی نے انہیں دس روز بعد کا وقت دے دیا اور وہ چلے گئے لیکن جب میں نے ان کے بارے میں تفصیل پوچھی تو اس نے ایک نام ایسا لیا جس پر میں چونک پڑا۔ پھر میں نے اس کے حلیے کی تفصیل معلوم کی تو میرا شک یقین میں بدل گیا۔ سب تانچہ میں نے جانی سے اس ٹپ کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور اس کے بعد پاکیشیا میں اپنے ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے جب اس ٹپ کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ اسے کسی فور سنارز گروپ نے گرفتار کر کے خصوصی پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔ وہ ایک بااثر آدمی سردار بہادر خان کا آدمی ہے۔ لیکن سردار بہادر خان بھی اسے نہیں چھوڑا سکا۔ اس پر میں نے اس سپیشل پولیس کے بارے میں معلومات حاصل کرائیں تو پتہ چلا کہ اس آدمی کو گرفتار کرانے والا وہی آدمی ہے جو جیب میں جانی کے پاس پہنچا تھا۔ تم چونکہ اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتے اس لئے تمہیں مختصر طور پر بتا دیتا ہوں کہ اس آدمی کا نام علی عمران ہے۔ یہ پاکیشیا سیکرٹ سروس کے لئے کام کرتا ہے۔ انتہائی خطرناک قسم کا سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ میں چونکہ اس ڈیسک پر آنے سے پہلے ملٹری انٹیلی جنس میں تھا اس لئے مجھے اس کے بارے میں معلوم

دیا

”نیامت گروپ وہی ہے جنہوں نے گزشتہ سال دھماکے کئے تھے اور“۔ راٹھور نے پوچھا۔

”یس باس انہیں احتیاط میں نے محفوظ مقامات پر بھجوا دیا تھا اور وہ اب تک وہیں ہیں۔ ان کے بارے میں اب تک پولیس کچھ حاصل نہیں کر سکی اس لیے اب انہیں واپس بلایا جاسکتا ہے اور“۔ آفتاب نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے کل شام چار بجے تم کو ٹھی پر رہنا۔ جان بچانے والی ادویات کے تین پیکیٹ پہنچ جائیں گے کوڈ ساجن ہوگا اور اینڈ آل“۔ دوسری طرف سے کہا گیا اور آفتاب نے ٹرانسمیٹر آف کیا اور پھر اسے الماری میں رکھ کر وہ واپس میز کے پیچھے رکھی ہوئی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ چند لمحوں تک وہ خاموش بیٹھا رہا پھر اس نے سلمے میز پر رکھے ہوئے فون کا رسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

”عالم خان بول رہا ہوں“..... رابطہ قائم ہوتے ہی ایک آواز سنائی دی۔

”آفتاب احمد بول رہا ہوں“..... آفتاب نے انتہائی تحکمانہ لہجے

میں کہا۔

”یس سر حکم فرمائیں“..... دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ

اس بار یکھت مؤدبانہ ہو گیا تھا۔

”تمام اخبارات میں نیامت حسین کی واپسی کا اشتہار دے دو۔ کل

لوگ ریڈ کر دیتے۔ نتیجہ یہ کہ تمہارا پورا سیٹ اپ سلمے آجاتا تم سمیت اور اس کا نتیجہ تم جانتے ہی ہو کہ کیا ہوتا اور“۔ راٹھور نے کہا تو آفتاب بری طرح اچھل پڑا۔

”اوہ۔ اوہ۔ واقعی باس۔ واقعی۔ اس طرف تو میرا خیال ہی نہ گیا تھا۔ پھر باس کیا ابھی خاموش رہا جائے اور“۔ آفتاب نے اس بار خوفزدہ سے لہجے میں کہا۔

”نہیں خاموش رہنے کی بجائے ہمیں اپنی پلاننگ کو نئے سرے سے ترتیب دینا ہوگا۔ ساجن اور اس کے پورے سیٹ اپ کو انڈر گراؤنڈ کر دو اور نئی پلاننگ کے تحت صرف بیک وقت تین دھماکے پہلک جائیں پر کر دو۔ فی الحال استہا ہی کافی ہے۔ اس کے بعد مزید اس بارے میں سوچا جائے گا اور“۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”لیکن ان تین بموں کے بارے میں کیا کیا جائے۔ آپ نے خود ہی سریندر سنگھ کا معاملہ درمیان میں ڈالا تھا اور“..... آفتاب نے کہا۔

”ایسا دانستہ کیا گیا تھا۔ تاکہ اگر کوئی بات سلمے آجھی جائے تو یہ کام سمگروں کا سمجھا جائے اور کافرستانی حکومت کا نام نہ آئے لیکن جب تک سریندر سنگھ والا مسئلہ دوبارہ بحال نہیں کیا جاتا۔ تمہیں تین پیکیٹ بھجوا دیے جائیں گے اور“..... دوسری طرف سے راٹھور نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے باس آپ بھجوادیں۔ میں ساجن کی بجائے اس بار نیامت گروپ کو حرکت میں لے آتا ہوں اور“۔ آفتاب نے جواب

میں بیٹھ گیا۔

”تمہیں معلوم ہے کہ جب تم جانی کے ڈیرے پر تھے تو ایک جیب کے وہاں آنے کی اطلاع ملی تھی جس میں اجنبی چہرے تھے۔ یہ کون لوگ تھے؟“ آفتاب احمد نے کہا۔

”میں نے بعد میں جانی سے معلوم کرایا تھا جناب وہ بھی جانی سے کالے وانے لینے گئے تھے اور جانی کے ایک انتہائی بااعتماد آدمی کی ٹپ لے کر گئے تھے۔ اپنی ہی قبیل کے لوگ تھے۔“ ساجن نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”جس بااعتماد آدمی کی ٹپ لے کر وہ گئے تھے۔ وہ دہشت گردی کے الزام میں پولیس کی تحویل میں ہے۔ اس کا نام اسلم خان ہے اور وہ سردار بہادر خان کا منیجر ہے اور سردار بہادر خان اپنے بے پناہ اثر و رسوخ کے باوجود آج تک اسے نہیں چھڑوا سکا۔“ آفتاب احمد نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

”اوہ۔ اوہ۔ اسلم خان۔ اس نے تو واقعی ٹرکوں میں دھماکوں کا کام کرایا تھا۔ اسے پولیس نے گرفتار کیا ہے۔“ ساجن نے چونک کر کہا۔

”اور یہ بھی سن لو کہ جو لوگ وہاں گئے تھے ان کا تعلق کسی فور سٹار گروپ سے ہے۔“ آفتاب احمد نے کہا تو ساجن بے اختیار اچھل پڑا۔

”کیا ہوا کیا تم اس گروپ کے بارے میں جانتے ہو؟“ آفتاب

کی اخبارات میں اسے نمایاں طور پر شائع ہونا چاہئے۔“ آفتاب نے کہا۔

”کس ٹائپ کا اشتہار جناب؟“..... دوسری طرف سے چونک کر پوچھا گیا۔

”فور او ایس والا خصوصی اشتہار۔“ آفتاب نے جواب دیا۔

”بہتر جناب۔“..... دوسری طرف سے کہا گیا اور آفتاب نے ہاتھ مار کر ریڈل دیا یا اور ایک بار پھر نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

”ساجن بول رہا ہوں۔“..... رابطہ قائم ہوتے ہی ساجن کی آواز سنائی دی۔

”میرے پاس پہنچو فوراً کوٹھی پر۔“ آفتاب احمد نے کہا اور رسیور رکھ کر وہ کرسی سے اٹھا اور دفتر سے باہر نکل کر ایک بار پھر کوٹھی کے عقبی لان کی طرف بڑھ گیا جہاں ایک رنگین چھتری کے نیچے کرسیاں اور میز موجود تھی میز پر فون بھی موجود تھا اور انٹرکام بھی۔ آفتاب ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ اور اس نے میز پر رکھے ہوئے رسائل میں سے ایک رسالہ اٹھایا اور اسے کھول کر دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ساجن وہاں پہنچ گیا۔

”خیریت جناب آپ نے اس قدر ایمر جنسی کال کی ہے۔“ ساجن نے قریب آکر قدرے پریشان سے لہجے کہا۔

”بیٹھو۔“..... آفتاب احمد نے رسالہ بند کر کے میز پر رکھتے ہوئے ساجن سے مخاطب ہو کر کہا اور ساجن سلمنے والی کرسی پر مؤدبانہ انداز

احمد نے چونک کر کہا۔  
 ”جی ہاں یہ گروپ ابھی حال ہی میں سامنے آیا ہے۔ لیکن اس سے پہلے تو یہ گروپ منشیات کے سمگروں کے خلاف کام کرتا رہا ہے۔ اس نے بہت کم عرصے میں بڑے بڑے نامی گرامی سمگروں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اس کی دہشت تو منشیات کا دھندہ کرنے والے سمگروں میں بے پناہ پھیلی ہوئی ہے“..... ساجن نے دوبارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔  
 ”اس گروپ کے ساتھ ایک آدمی علی عمران نامی بھی تھا جس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ سیکرٹ سروس کے لئے کام کرتا رہتا ہے اور انتہائی خطرناک ایجنٹ ہے“..... آفتاب احمد نے کہا۔

”سیکرٹ سروس۔ علی عمران۔ یہ دونوں نام تو میں پہلی بار سن رہا ہوں اللہ فور سٹار کی دہشت موجود ہے لیکن آپ کو ان سب باتوں کا کیسے علم ہو گیا ہے“..... ساجن نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔  
 ”تمہارا کیا خیال ہے کہ میں ان سب معاملات سے لا تعلق رہتا ہوں“..... آفتاب احمد نے سخت لہجے میں کہا۔  
 ”اوہ نہیں جتناب میرا یہ مقصد نہ تھا“..... ساجن نے قدرے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

”جو کچھ تم کرتے ہو اس کی لمحہ بہ لمحہ رپورٹ مجھ تک پہنچتی رہتی ہے۔ بہر حال ان سب باتوں کے سامنے آنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جب تک یہ فور سٹار گروپ ختم نہیں ہو جاتا تم انڈر گراؤنڈ ہو جاؤ۔ تمہاری جگہ اس بار یہ کام نیامت کرے گا میں نے اس کی فوری

واپسی کے اشتہارات اخبار میں دے دیئے ہیں“..... آفتاب احمد نے کہا تو ساجن کے چہرے پر مایوسی کے تاثرات ابھر آئے۔  
 ”لیکن جتناب میں تو ساری تیاریاں مکمل کر چکا ہوں“..... ساجن نے کہا۔  
 ”دیکھو ساجن کیا تم یہی چاہتے ہو کہ عین رنگے ہاتھوں پکڑے جاؤ۔ میں تمہیں بچانا چاہتا ہوں اور تم پھنسنے چاہتے ہو جب کہ تمہیں معلوم ہے کہ انڈر گراؤنڈ رہنے کی صورت میں تمہیں اور تمہارے گروپ کو تمام مراعات حاصل رہیں گی اور مکمل معاوضہ بھی ملتا رہے گا۔“  
 آفتاب احمد نے سخت لہجے میں کہا۔

”وہ تو مجھے معلوم ہے جتناب۔ لیکن بیکار بھی تو نہیں رہا جاسکتا جتناب اگر آپ اجازت دیں تو میں محفوظ پوائنٹس پر جانے کی بجائے اپنے عام کاموں میں مصروف ہو جاؤں۔ اللہ یہ میرا وعدہ کہ ہر قسم کا رابطہ ختم کر دوں گا“..... ساجن نے کہا۔  
 ”میں نے تمہیں کب کہا ہے کہ تم محفوظ پوائنٹس پر چلے جاؤ میں نے لفظ انڈر گراؤنڈ استعمال کیا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ تم اس کاروبار سے یکٹ اپنے آپ کو علیحدہ کر لو گے اور جب تک تمہیں میں خود کال نہ کروں تم نے کسی صورت بھی مجھ سے یا اپنے گروپ سے کوئی رابطہ نہیں کرنا“..... آفتاب نے کہا۔

”اوہ پھر ٹھیک ہے جتناب میں سمجھا تھا کہ آپ نیامت کی طرح ہمیں بھی محفوظ پوائنٹس پر بھجوا دیں گے“..... ساجن نے مطمئن لہجے

سے کوئی رابطہ نہیں کرنا“..... آفتاب نے کہا۔  
 ”اوہ پھر ٹھیک ہے جتناب میں سمجھا تھا کہ آپ نیامت کی طرح ہمیں بھی محفوظ پوائنٹس پر بھجوا دیں گے“..... ساجن نے مطمئن لہجے

میں کہا۔

”نیامت دھماکے کرنے کے بعد انڈر گراؤنڈ ہوا تھا اس لئے اسے محفوظ پوائنٹس پر بھجوا دیا گیا تھا۔ تم نے تو ابھی دھماکے نہیں کیے۔ اس لئے وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن تمہیں بہر حال حلیہ بدلنا ہو گا کیونکہ جانی سے وہ تمہارے حلیے کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں“..... آفتاب نے کہا۔

”وہ میں بدل لوں گا جناب یہ کوئی مسئلہ نہیں“..... ساجن نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے جاؤ“..... آفتاب احمد نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے میز پر رکھا ہوا سالہ دوبارہ اٹھالیا۔ ساجن خاموشی سے اٹھا اور تیز قدم اٹھاتا ہوا واپس چلا گیا۔

دارالحکومت کے ہوٹل عالیشان میں اس وقت گہما گہمی اپنے پورے عروج پر تھی۔ ہوٹل عالیشان دارالحکومت کے سکس سٹار ہوٹلوں میں سے سب سے نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ گو اس کا افتتاح ہوئے ابھی صرف ایک سال ہی ہوا تھا لیکن اس ایک سال میں اس کی شہرت نے اس رینج کے باقی تمام ہوٹلوں کا بزنس ٹھپ کر کے رکھ دیا تھا۔ ہوٹل عالیشان کی عمارت اس کا طرز تعمیر اور اس میں مسافروں کو مہیا کی گئی سہولتوں کا معیار تو ظاہر ہے سکس سٹار ہوٹلوں جیسا ہی تھا کہ اس ہوٹل میں رہنے والا آدمی اپنے آپ کو کسی ریاست کا کنگ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا تھا لیکن ہوٹل عالیشان نے بے درپے ایسے شاندار فنکشن منعقد کرائے تھے کہ دارالحکومت کا اعلیٰ طبقہ اس کا بری طرح گرویدہ ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شام ہوتے ہی دارالحکومت کا اعلیٰ

”ارے سلیمان۔ اگر ملبوسات کے ڈیزائنوں کا مقابلہ ہو سکتا ہے تو مختلف کھانے پکانے کا مقابلہ کیوں نہیں ہو سکتا؟..... عمران نے اخبار میں شائع شدہ اشتہار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”کھانا پکانے کے مقابلے کو کون دیکھنے آئے گا۔ اب ہر باد پرچی میری طرح یوسف ثانی تو نہیں ہو سکتا؟..... سلیمان نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”یوسف ثانی۔ اودہ تو تم اپنے آپ کو یوسف ثانی سمجھتے ہو۔“ عمران نے چونک کر حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”ثانی بھی اس لئے کہہ رہا ہوں جناب کہ بہر حال اصل حضرت یوسف جلیل القدر پیغمبر تھے۔“..... سلیمان نے جواب دیا اور عمران بے اختیار ہنس پڑا۔

”اس لحاظ سے تو تم اپنے آپ کو یوسف ثانی کی بجائے سلیمان ثانی کہہ سکتے ہو؟.....“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ کے لئے تو میں سلیمان ثانی ہی ہوں۔ حضرت سلیمان کے قبضے میں اگر جنات تھے تو میرے قبضے میں آپ۔ آپ بہر حال اتنے تو نکھدار ہوں گے کہ باقی بات خود ہی سمجھ لیں۔“..... سلیمان نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

”ہونہ۔“ جہارا مطلب ہے کہ میرا شمار بھی جنات میں ہوتا ہے اور جہارا مجھ پر قبضہ ہے۔“..... عمران نے غصے سے پھنکار تے ہوئے لہجے میں کہا۔

طبقہ اس ہوٹل کا ہی رخ کرتا تھا۔ آج بھی اس ہوٹل میں ایک فنکشن تھا اور یہ فنکشن اپنی نوعیت کے اعتبار سے بھی اس قدر پرکشش تھا کہ آج تو شاید دارالحکومت میں رہنے والے ہر آدمی کی خواہش یہی تھی کہ وہ کسی طرح اس ہوٹل کے ہال میں داخل ہو سکے اس فنکشن میں آج موسم سرما کے نسوانی ملبوسات کے ڈیزائنوں کا مقابلہ منعقد ہو رہا تھا اور دنیا بھر کے معروف ڈریس ڈیزائنر اپنے معروف ماڈلوں سمیت اس مقابلے میں حصہ لے رہے تھے۔ ڈریس ڈیزائن کے اس مقابلے کے اشتہارات پورے ملک میں چھپنے والے اخبارات میں پورے پورے صفحے کے دیئے گئے تھے بلکہ ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر بھی اس کی اس قدر پبلٹی کی گئی تھی کہ لوگوں میں اس فنکشن کو سنڈ کرنے کا جیسے کریز سا پیدا ہو گیا تھا۔ وہ ماڈل گرنز جنہیں لوگ ٹی وی پر دیکھتے تھے یا پھر اخبارات میں شائع ہونے والے اشتہارات میں دیکھتے تھے وہ سب ماڈل گرنز اس فنکشن میں شریک ہو رہی تھیں۔ عمران بھی اپنے فلیٹ میں بیٹھا اخبار سامنے رکھے اس فنکشن کے اشتہار کو غور سے دیکھنے میں مصروف تھا۔

”سلیمان۔ سلیمان۔“..... اچانک عمران نے تیز تیز آواز میں سلیمان کو پکارنا شروع کر دیا۔

”کیا ہوا صاحب۔ کیا کوئی میرے لئے مناسب رشتہ نظر آگیا ہے آپ کو اخبار میں؟.....“ سلیمان نے فوراً ہی دروازے پر نمودار ہوتے ہوئے کہا۔

کہے ہیں کہ جب آدمی کو بد ہنسی ہو تو اسے ڈراؤنے خواب آتے ہیں اور  
بے بد ہنسی ہو اسے پر میزی غذا دی جاتی ہے۔ ..... سلیمان نے بڑے  
لمہنان سے تفصیلی جواب دیتے ہوئے کہا۔  
"ڈری ڈری سی آوازیں۔ کیسی آوازیں۔ کس نے سنی تھیں۔"  
عمران نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں بالکل میں نے خود سنی تھیں۔ بالکل اس طرح کی آوازیں  
میں نے کوئی چوہا ملی کو دیکھ کر چیں چیں کرتا ہے۔ ..... سلیمان نے  
جواب دیا۔  
"یہ کس وقت کی بات ہے۔ ..... عمران نے بڑے سنجیدہ لہجے میں  
پوچھا۔

"میں تہجد پڑھنے کے لئے اٹھا ہوا تھا۔ ..... سلیمان نے جواب دیا۔  
"اچھا تو تم تہجد کی نماز بھی پڑھتے ہو۔ واقعی۔ ..... عمران نے  
بہت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

"جی بالکل پڑھتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تہجد کی نماز کے بعد جو  
ناما لگی جائے وہ فوراً قبول ہو جاتی ہے۔ ..... سلیمان نے مسکراتے  
ہوئے جواب دیا۔

"تم کون سی دعا منظور کرانا چاہتے ہو۔ ..... عمران نے مسکراتے  
ہوئے پوچھا۔

"آپ کی شادی کی۔ ..... سلیمان نے بھی مسکراتے ہوئے جواب  
دیا تو عمران بے اختیار اچھل پڑا۔

"جنت کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں جناب۔ اب وہ بھی تو جن ہے  
جو الہ دین کے چراغ کا غلام ہے۔ ..... سلیمان بھلا کہاں پہچھے ہٹنے والا  
تھا۔

"مطلب یہ ہوا کہ میں تمہارا غلام ہوں کیوں۔ ..... عمران نے اور  
زیادہ غصیلے لہجے میں کہا۔

"غلامی بھی بہت سی قسموں کی ہوتی ہے۔ جب آپ کو چائے نہیں  
ملتی تو آپ کا رویہ مجھ سے کیسا ہوتا ہے۔ کس طرح مٹتیں ہو رہی ہوتی  
ہیں۔ غلامانہ گفتگو ہو رہی ہوتی ہے۔ میں نے صرف ایک معمولی سی  
مشال دی ہے۔ ..... سلیمان نے جواب دیا اور عمران اس بار بے  
اختیار ہنس پڑا۔

"تو بے تم سے تو بات کر کے آدمی اپنے آپ کو نجانے کہاں کھرا پاتا  
ہے۔ بہر حال آج رات تم کھانے میں کیا پکا رہے ہو۔ ..... عمران نے  
مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کے لئے تو میں نے پکانی ہے کھجری اور دلیہ وغیرہ۔ البتہ میں  
نے اپنے لئے آج بریانی پکانی ہے۔ ..... سلیمان نے بڑے سنجیدہ  
میں کہا۔

"کیوں۔ کیوں۔ وجہ بیان کرو۔ میرے لئے یہ کھجری اور دلیہ  
کیوں۔ ..... عمران نے بے اختیار آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"آپ رات کو سوتے ہوئے ڈری ڈری سی آوازیں نکال رہے  
اس کا مطلب ہے کہ آپ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہے تھے اور بزرگ

”میری شادی کی اور اس کے لئے دعا تم کرتے ہو اور وہ بھی بڑے فخریہ لہجے میں کہا۔  
وقت۔ کیوں۔ اس کی وجہ۔..... عمران کے لہجے میں اس بار۔  
حقیقی حیرت تھی۔  
..... سلیمان نے کہا۔

”تاکہ مجھے اپنی سابقہ تنخواہوں۔ بونس اور دیگر سارے  
اکٹھے مل سکیں۔..... سلیمان نے جواب دیا۔

”لیکن ان کا میری شادی سے کیا تعلق۔ شادی پر تو الٹا غور  
ہے۔..... عمران نے ایسے لہجے میں کہا جیسے واقعی اسے سلیمان

ہاں۔ مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا۔..... عمران نے چونک کر کہا۔

”غریب تو بڑے صاحب کا ہوگا۔ باقی رہا میرا بل تو عین  
پہلے میں مولوی صاحب کے کان میں کہہ دوں گا کہ دو لہجہ  
مقروض ہیں اس لئے پہلے قرضہ ادا کرایا جائے پھر نکاح پڑھا جائے اب ان کی جگہ یہ میزائل ورلڈ کک ایسوسی ایشن کے صدر  
اس طرح مجھے ساری رقم اکٹھی اور فوراً مل جائے گی۔..... سلیمان سلیمان پاشا کے نام بک کر دی جائے اور وہ بک ہو گئی۔“  
منہ بناتے ہوئے کہا۔

”لیکن کیوں۔ نکاح کا قرض سے کیا تعلق۔..... عمران نے  
”بڑا گہرا تعلق ہے۔ عالم لوگ مقروض کا جنازہ نہیں پڑھا  
تک اس کا قرض ادا نہ ہو جائے۔..... سلیمان نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

جواب دیا اور عمران اس کی اس بات پر بے اختیار کھلکھلا کر ہنس  
”واقعی بڑی گہری بات کی ہے تم نے۔ بہت خوب۔  
خوشی میں میرا پرہیزی کھانا بھی تم کھا لینا کیونکہ آج میں  
عالیشان کا فنکشن انڈ کرنا ہے اس لئے ڈنر بھی وہیں ہوگا۔“

”مقروض تو سمجھ میں آتا ہے عمران صاحب۔ یہ ممنوع النکاح یہ  
مطلوبہ ہے۔..... دوسری طرف سے بلیک زیرو کی ہنستی ہوئی

”میری شادی کی اور اس کے لئے دعا تم کرتے ہو اور وہ بھی بڑے فخریہ لہجے میں کہا۔  
وقت۔ کیوں۔ اس کی وجہ۔..... عمران کے لہجے میں اس بار۔  
حقیقی حیرت تھی۔  
..... سلیمان نے کہا۔

”تاکہ مجھے اپنی سابقہ تنخواہوں۔ بونس اور دیگر سارے  
اکٹھے مل سکیں۔..... سلیمان نے جواب دیا۔

”لیکن ان کا میری شادی سے کیا تعلق۔ شادی پر تو الٹا غور  
ہے۔..... عمران نے ایسے لہجے میں کہا جیسے واقعی اسے سلیمان

ہاں۔ مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا۔..... عمران نے چونک کر کہا۔

”غریب تو بڑے صاحب کا ہوگا۔ باقی رہا میرا بل تو عین  
پہلے میں مولوی صاحب کے کان میں کہہ دوں گا کہ دو لہجہ  
مقروض ہیں اس لئے پہلے قرضہ ادا کرایا جائے پھر نکاح پڑھا جائے اب ان کی جگہ یہ میزائل ورلڈ کک ایسوسی ایشن کے صدر  
اس طرح مجھے ساری رقم اکٹھی اور فوراً مل جائے گی۔..... سلیمان سلیمان پاشا کے نام بک کر دی جائے اور وہ بک ہو گئی۔“  
منہ بناتے ہوئے کہا۔

”لیکن کیوں۔ نکاح کا قرض سے کیا تعلق۔..... عمران نے  
”بڑا گہرا تعلق ہے۔ عالم لوگ مقروض کا جنازہ نہیں پڑھا  
تک اس کا قرض ادا نہ ہو جائے۔..... سلیمان نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

جواب دیا اور عمران اس کی اس بات پر بے اختیار کھلکھلا کر ہنس  
”واقعی بڑی گہری بات کی ہے تم نے۔ بہت خوب۔  
خوشی میں میرا پرہیزی کھانا بھی تم کھا لینا کیونکہ آج میں  
عالیشان کا فنکشن انڈ کرنا ہے اس لئے ڈنر بھی وہیں ہوگا۔“

”مقروض تو سمجھ میں آتا ہے عمران صاحب۔ یہ ممنوع النکاح یہ  
مطلوبہ ہے۔..... دوسری طرف سے بلیک زیرو کی ہنستی ہوئی



زیر و بھی ہنس پڑا۔

”یہ میں نے آپ کے خیالات کی عکاسی کی ہے“..... بلیک زیر و نے جواب دیا۔

”خیالات کی عکاسی اودہ تو ساتس اب بہاں تک بھی پہنچ گئی ہے کہ خیالات کی عکاسی بھی کر سکتی ہے۔ پھر تو ہم جیسے سدا بہار کنواروں کے لئے تو بڑی مشکل ہو جائے گی۔ اگر ہمارے خیالات کی عکاسی لوگوں نے دیکھ لی تو مجھے یقین ہے کہ وہ جو تیاں پڑیں گی کہ شاید بڑی بڑی شو فروش کمپنیوں کے گودام خالی ہو جائیں“..... عمران نے قدرے فوفزہ سے لہجے میں کہا اور بلیک زیر و ایک بار پھر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

”عمران صاحب ہوٹل عالمیشان میں کوئی فنکشن ہو رہا ہے اور پاکیشیا سیکٹ سر دس نے اسے دیکھنے کی اجازت طلب کی ہے۔ میں نے اس لئے فون کیا تھا“..... بلیک زیر و نے کہا۔

”تو دے دو اجازت لیکن صرف دیکھنے کی حد تک“..... عمران نے جواب دیا تو بلیک زیر و ایک بار پھر ہنس پڑا۔

”ظاہر ہے دیکھنے کی ہی اجازت انہیں دی جا سکتی ہے۔ لیکن ریزرویشن کا کیا ہو گا۔ اب ظاہر ہے ایکسٹو تو اس سلسلے میں کسی کو کہنے سے رہا اور وہاں مکمل بکنگ ہو چکی ہے“..... بلیک زیر و نے کہا۔

”کیا انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایکسٹو انہیں میزیں بھی ریزرو کرنا“..... عمران نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”ظاہر ہے ورنہ اجازت کا کیا مطلب۔ وہاں جانا کوئی جرم تو نہیں

آواز سنائی دی۔

”یہ اصطلاح آغا سلیمان پاشا کی باتوں کی وجہ سے سننے آئی ہے۔ یہ بتاؤ کہ کیا قرض دار کا نکاح ہو سکتا ہے“..... عمران نے مسکراہوئے کہا۔

”کیوں نہیں ہو سکتا۔ نکاح کا قرض سے کیا تعلق“..... بلیک نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

”یہی بات میں نے آغا سلیمان پاشا کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ مانتا ہی نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ بزرگ اس شخص کا جنازہ سے انکار کر دیتے ہیں جو قرض دار مرا ہو۔ تو قرض دار کا نکاح کیے سکتا ہے اور میں تو تمہیں معلوم ہے کہ قرض دار کی بجائے قرض بنا ہوا ہوں اس لئے بقول آغا سلیمان پاشا ممنوع النکاح ہوں“..... بلیک نے وضاحت کرتے ہوئے کہا تو دوسری طرف سے بلیک نے اختیار قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

”سلیمان کی بات میں وزن تو ہے۔ نکاح بھی تو ایک لحاظ سے صاحب کا جنازہ ہی ہوتا ہے اسے عائلی قبر میں دفن کیا جا ہے“..... دوسری طرف سے بلیک زیر و نے کہا تو عمران نے ہنس پڑا۔

”بتہ نہیں نکاح کا ذکر کرتے ہی ایسی ایسی اچھوتی اصطلاحیں مردوں کے ذہنوں میں کہاں سے آجاتی ہیں۔ اب تم نے اصطلاح سنا دی ہے عائلی قبر“..... عمران نے ہنستے ہوئے کہا

”ہوٹل عالیشان“..... رابطہ قائم ہوتے ہی ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

”واہ کس قدر خوبصورت اور دلکش آواز ہے آپ کی۔ ہوٹل عالیشان ویسے تو عالیشان ہے ہی لیکن آپ کی آواز نے اسے اور بھی عالیشان بنا دیا ہے“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ کی اس خوبصورت تعریف کا بے حد شکریہ۔ فرمائیے“۔ دوسری طرف سے مسکراتے ہوئے لہجے میں کہا گیا۔

”یہ لفظ تو وہی کہتے ہیں جو واقعی فرمائش پوری بھی کر سکتے ہوں۔“ عمران نے کہا۔

”اگر آپ کی فرمائش میرے بس میں ہوئی تو ضرور پوری کر دوں گی“..... دوسری طرف سے بڑے بے باکانہ لہجے میں کہا گیا تو عمران کے چہرے پر بے اختیار کبیدگی کے تاثرات ابھر آئے۔

”دس سیٹیں چاہئیں۔ شوکی“..... عمران نے جواب دیا۔

”اوہ۔ اوہ۔ دیری سوری یہ فرمائش تو میں پوری نہیں کر سکتی۔“ دوسری طرف سے جواب دیا گیا۔

”کون کر سکتا ہے“..... عمران نے کہا۔

”آپ کون صاحب بول رہے ہیں“..... دوسری طرف سے کہا گیا۔

”عام شہری“..... عمران نے جواب دیا۔

”سوری سیٹیں واقعی نہیں ہیں“..... دوسری طرف سے اس بار انتہائی روکھے لہجے میں کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ بھی ختم ہو گیا۔

ہے۔“ بلیک زیرو نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”تم نے کیا جواب دیا ہے“..... عمران نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ابھی جواب دینا ہے۔ میں ایک ضروری کام سے مارکیٹ چلا گیا تھا۔ واپس آیا تو جو لیا کا پیغام فون باکس میں ریکارڈ ہو چکا تھا“۔ بلیک زیرو نے جواب دیا۔

”سر سلطان سے کہہ دو وہ بندوبست کر دیں گے“..... عمران نے کہا۔

”میں نے آپ سے پہلے کوشش کر لی ہے سر سلطان ایک سرکاری دورے پر ملک سے باہر ہیں“..... بلیک زیرو نے جواب دیا۔

”تو پھر صرف اجازت دے کر محالہ ختم کر دو اور کیا ہو سکتا ہے۔“ عمران نے جواب دیا۔

”آپ کے سرپر بات آجائے گی۔ یہ سوچ لیں“..... بلیک زیرو نے ہنستے ہوئے کہا۔

”میرے سرپر جو تیاں اثر نہیں کرتیں بات بیچاری کیا اثر کرے گی“..... عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور بلیک زیرو نے ہنستے ہوئے خدا حافظ کہا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا۔ عمران نے مسکراتے ہوئے کریڈل پر ہاتھ مارا اور پھر تیزی سے نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔ اس کی نظریں اخبار میں چھپے ہوئے ہوٹل عالیشان کے اس اشتہار پر جمی ہوئی تھیں جس کے نیچے فون نمبر دے دیئے گئے تھے۔

مطلب نہیں کہ آپ میری بات سننے بغیر ہی فون بند کر دیں۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ وہی عام شہری بول رہے ہیں ناں..... دوسری طرف سے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا گیا۔

”ہاں اور مجھے اس پر فخر ہے کیونکہ پاکیشیا کا سب سے معزز فرد تو عام شہری ہی ہوتا ہے“..... عمران نے جواب دیا۔

”ہوتا ہوگا۔ لیکن..... دوسری طرف سے بولنے والی نے تلخ لہجے میں کہنا شروع کیا۔

”محترمہ میں عام شہری ہونے کے ساتھ ساتھ ارشد حسین صاحب کا بھتیجا بھی ہوں“..... عمران نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”اوہ۔ اوہ۔ تو آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ میں بات کراتی ہوں“..... دوسری طرف سے انتہائی بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا گیا اور پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ایک باوقار سی آواز سنائی دی۔

”ارشد حسین بول رہا ہوں کون صاحب بات کر رہے ہیں۔“ بولنے والے کے لہجے میں حیرت تھی اور عمران اس کی وجہ جانتا تھا کہ ارشد حسین کا ان کے حقیقی بھائی سے جائیداد کے سلسلے میں طویل عرصے سے مقدمہ بازی چل رہی تھی اور اس وجہ سے دونوں خاندانوں میں کوئی رابطہ نہ تھا۔ اس لئے یقیناً جب فون آپریٹر نے نہیں بتایا ہوگا کہ ان کا بھتیجا بات کرنا چاہتا ہے تو انہیں حیرت ہوئی ہوگی۔

”عام شہری بول رہا ہوں“..... عمران نے مسکراتے ہوئے

”عام شہریوں کو تو اس ملک کا سب سے معزز آدمی ہونا چاہیے۔“ عمران نے منہ نہاتے ہوئے کہا اور ایک بار پھر نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

”ہوئل عالیشان“..... وہی آواز دوبارہ سنائی دی۔

”بورڈ آف ڈائریکٹرز کے چیئرمین ارشد حسین سے بات کرائیں۔“ عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”آپ کون صاحب بول رہے ہیں“..... دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”عام شہری“..... عمران نے اسی طرح سنجیدہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

”میں نے آپ کو پہلے ہی بتایا ہے۔ آپ دس سیٹوں کی بات کر رہے ہیں۔ یہاں ایک بھی سیٹ نہیں ہے۔ تمام سیٹیں ایک ہفتہ پہلے بک ہو چکی ہیں“..... اس بار بولنے والی کا لہجہ بے حد روکھا تھا۔

”اگر سیٹیں ایک ہفتے پہلے بک ہو چکی ہیں تو پھر آج کے اخبارات میں اشتہار دینے کا کیا فائدہ“..... عمران نے کہا۔

”پہلے کئے“..... دوسری طرف سے جواب دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ایک بار پھر ختم ہو گیا تو عمران نے کریڈل دبا کر ایک بار پھر نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

”ہوئل عالیشان“..... وہی آواز دوبارہ سنائی دی۔

”محترمہ میں نے اگر آپ کی آواز کی تعریف کی ہے تو اس کا۔“

جواب دیا۔

آئی پی سیٹیں..... عمران نے جواب دیتے ہوئے کہا۔  
 ”دس سیٹیں۔ سوری بھتیجے سیٹیں تو نہیں مل سکتیں“ دوسری  
 طرف سے ارشد حسین نے کہا۔

”سوچ لیجئے ایسا نہ ہو کہ آپ کا فنکشن کسی المیہ سے دو چار ہو  
 جائے“..... عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”دھمکی دے رہے ہو۔ کیا کر لو گے“..... ارشد حسین نے غصیلے  
 لہجے میں کہا لیکن ان کا لہجہ بتا رہا تھا کہ ان کا غصہ مصنوعی ہے۔

”صرف چند پٹانے چلیں گے ہال میں اور پھر“..... عمران نے  
 مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”اوہ اوہ۔ تم واقعی شیطان ہو۔ تم سے کچھ بعید نہیں کہ تم ایسا کر گزرو  
 ٹھیک ہے مل جائیں گی سیٹیں“..... ارشد حسین نے بوکھلائے  
 ہوئے لہجے میں کہا۔

”بے حد شکریہ اٹکل“..... عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔  
 ”اٹکل مجبور ہو گیا ہے۔ ورنہ۔ بہر حال۔ منیجر صولت مند خان کو  
 میں کہہ دیتا ہوں۔ تم اپنا آدمی بھیج کر ریزرویشن منگوا لینا“۔ دوسری  
 طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا اور عمران نے  
 مسکراتے ہوئے رسیور رکھ دیا۔ ارشد حسین سے ان کے خاندانی  
 تعلقات تھے۔ اماں بی کی کزن ان کی بیگم تھیں اس لئے ان کا اور ان کی  
 فیملی کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا رہتا تھا اور ارشد حسین عمران کی  
 طبیعت سے اچھی طرح واقف تھے۔ عمران کو معلوم تھا کہ ایکسٹو سے

”عام شہری کیا مطلب“..... ارشد حسین نے چونک کر پوچھا۔  
 ان کے لہجے میں مزید حیرت ابھرتی تھی۔

”عام شہری کا مطلب عام شہری ہی ہوتا ہے۔ مطلب ہے پاکیشیا  
 شہری“..... عمران نے جواب دیا۔

”عام شہری کا کوئی نام بھی تو ہوتا ہے“..... ارشد حسین نے  
 جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا وہ شاید عام شہری کی وجہ سے بات کر رہے  
 تھے۔ کیونکہ شاید ایسی بات پہلے ان سے کسی نے نہ کی تھی ورنہ وہ تو  
 اس قدر مصروف تھے کہ شاید کسی کو بھی ایک دو منٹ سے زیادہ  
 وقت نہ دے سکتے تھے۔

”ہاں نام تو ہے اور نام ہے۔ علی عمران۔ ایم ایس سی ڈی ایس سی  
 (آکسن)“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوہ اوہ تم علی عمران۔ اوہ میں بھی سوچ رہا تھا کہ آواز تو جانی  
 پہچانی لگتی ہے۔ یہ تم نے عام شہری کا کیا متاثرہ لگا رکھا تھا“..... ارشد  
 حسین نے چونکتے ہوئے کہا۔

”اچھا تو اب عام شہری آپ کے لئے متاثرہ ہوتا ہے۔ بہت  
 خوب“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ بات نہیں ہے۔ بہر حال بتاؤ کیسے فون کیا ہے“..... ارشد  
 حسین نے کہا۔

”دس سیٹیں چاہئیں تھیں آج کے فنکشن کے لئے اور وہ بھی دی

تخواہ ملتی ہے۔"..... عمران کی زبان رواں ہو گئی۔

"تو پھر"..... بلیک زیرو نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

"پھر یہ کہ کم از کم عام شہری کو اتنا تو پوچھنے کا حق ہے کہ کیا سیکرٹ سروس والوں کو فنکشن کی اجازت مل بھی گئی ہے یا نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ میں نے جو دس سیٹیں بڑی مشکل سے حاصل کی ہیں وہاں بیٹھے الو بولتے رہیں۔"..... عمران نے کہا۔

"اوہ عمران صاحب آپ نے خواہ مخواہ مجھے پریشان کر دیا۔ آپ نے جناب کیوں کہا تھا فقرے کے ساتھ میں سمجھتا رہا کہ آپ شناخت چھپانا چاہتے ہیں۔ یہ تو اب آپ نے میرے پہلے فون کا حوالہ دیا تو مجھے تپہ چلا کہ ایسی کوئی بات نہیں"..... بلیک زیرو نے اس بار اپنی اصل آواز میں کہا۔

"عام شہری بیچارے کو عادت ہی ایسی ڈال دی گئی ہے کہ وہ ہر ایک کو جناب کہہ دیتا ہے۔ چاہے وہ زیر دہی کیوں نہ ہو"..... عمران نے جواب دیا اور بلیک زیرو بے اختیار ہنس پڑا۔

"یہ آج آپ کو عام شہری کا دورہ کیسے پڑ گیا ہے"..... بلیک زیرو نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تمہیں نہیں معلوم ہے کہ آج کل کاروں اور جیپوں پر اپنی شناخت کی پلیٹیں لگانے کا کریز چل رہا ہے اور کاریں ہی کیا موٹر سائیکلوں اور سائیکلوں پر بھی پلیٹیں لگنا شروع ہو گئی ہیں۔ اگر کوئی کسی اخبار کے دفتر میں چڑا سی ہے تو اس کے سائیکل پر سائیکل کے

اجازت ملتے ہی جولیا اور اس کے ساتھی اس کے سرچڑھیں گے۔ اس لئے اس نے پیشگی بندوبست کر لیا تھا اور اب اسے جیوینا کے فون پر انتظار تھا۔ لیکن جب کافی دیر گزر گئی اور جولیا یا کسی دوسرے ممبر کا فون نہ آیا تو اس نے رسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔ "ایکسٹو"..... رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے مخصوص آواز سنائی دی۔

"عام شہری بول رہا ہوں جناب"..... عمران نے بڑے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"کیا بات ہے"..... بلیک زیرو نے اسی طرح سرد لہجے میں پوچھا۔ ظاہر ہے وہ عمران کی آواز تو پہچان گیا تھا لیکن عمران کی عادت تھی کہ جب وہ اپنے فقرے کے ساتھ جناب لگا دیتا تھا تو بلیک زیرو سمجھ جاتا تھا کہ وہ اصل شناخت چھپانا چاہتا ہے اور اب بھی چونکہ اس نے فقرے کے آخر میں جناب کہہ دیا تھا اس لئے بلیک زیرو نے ایکسٹو کا لہجہ برقرار رکھا تھا۔

"وہ۔ وہ ہوٹل عالی شان والے عام شہری کو لفٹ ہی نہیں کرا رہے۔ ہوٹل کے مالکان اور منیجر تو ایک طرف جو محترمہ استقبالیہ پر بیٹھی فون انڈ کر رہی ہیں ان کا لہجہ عام شہری کے الفاظ سننے ہی روکھا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ جناب عام شہری تو ملک کا سب سے معزز فرد ہوتا ہے۔ اس کے بغیر نہ حکومت چلتی ہے، نہ انتظامیہ، نہ عدلیہ، نہ مقننہ، نہ ہوٹل نہ سرائے۔ ٹیکس بھی وہی عام شہری دیتا ہے تو جناب کو بھی

”میں نے آپ کے حکم پر جولیا کو فون کر کے فنکشن دیکھنے کی اجازت دے دی تھی“..... بلیک زیرو نے جواب دیا۔

”سیٹوں کی تو کوئی بات نہیں ہوئی“..... عمران نے پوچھا۔

”نہیں نہ اس نے بات کی اور نہ میں نے۔ آپ کو انہوں نے فون نہیں کیا اب تک“..... بلیک زیرو نے پوچھا۔

”میں نے تو حفظ ماتقدم کے طور پر دس سیٹیں حاصل بھی کر لی ہیں لیکن کسی کا فون ہی نہیں آیا“..... عمران نے ایسے لہجے میں کہا جیسے اسے بے حد مایوسی ہو رہی ہو۔

”تو کوئی بات نہیں۔ آپ کا ساتھ میں دے دوں گا“..... بلیک زیرو نے کہا۔

”ڈریس دیکھنے جاؤ گے۔ یا ڈریس پہننے والیوں کو“..... عمران نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو بلیک زیرو بے اختیار ہنس پڑا۔

”میں تو صرف شو دیکھنے جاؤں گا“..... بلیک زیرو نے کہا اور عمران بھی اس کے اس خوبصورت جواب پر بے اختیار ہنس پڑا۔

”اوکے۔ اگر جولیا وغیرہ کا فون نہ آیا تو تمہیں سب کچھ دیکھنے کا موقع ضرور ملے گا ورنہ پھر دانش منزل کی دیواریں دیکھتے رہنا اور ٹھنڈے سانس بھرتے رہنا۔ خدا حافظ“..... عمران نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے رسیور رکھ دیا۔ اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

”بیچارہ بلیک زیرو۔ اس کی قسمت میں واقعی دیواریں دیکھنا ہی رہ گیا ہے“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ

سائٹ سے بھی بڑی پلیٹ لگی ہوئی ہوگی جس پر لکھا ہوا ہوگا ”پریس“ اور اگر کوئی صاحب کسی گلی میں بننے والی اصلاحی کمیٹی کے ممبر ہوں گے تب بھی ایک بڑی سی پلیٹ پر لکھا ہوگا۔ ممبر فلاں فلاں اصلاحی کمیٹی۔ جیسے وہ اصلاحی کمیٹی کی بجائے بورڈ آف ریونیو کے ممبر ہوں۔ لیکن کل میں نے سڑک پر ایک جیپ دیکھی جس پر بڑی سی پلیٹ لگی ہوئی تھی اور اس پر موٹے موٹے حروف میں لکھا ہوا تھا عام شہری۔ کیا پوچھتے ہو بلیک زیرو یہ پلیٹ دیکھ کر لطف آگیا۔ واقعی عام شہری کو بھی تو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی شناخت کرائے۔ یہ اور بات ہے کہ اگلے چوک پر ٹریفک کانٹینیل صاحب جیپ کے کاغذ چیک کر رہے ہوں کہ کہیں جیپ چوری کی تو نہیں ہے۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے کہ جہاں جہاں سے عام شہری کی سواری گزرے وہاں موجود پولیس والے اسے باقاعدہ سیلوٹ کریں۔ کیونکہ کتابی طور پر تو وہ سب عام شہریوں کے ہی خادم ہوتے ہیں“..... عمران نے کہا اور دوسری طرف سے بلیک زیرو بے اختیار ہنس پڑا۔

”وہی وہ صاحب جنہوں نے یہ پلیٹ لگائی ہے۔ آپ جیسے ہی ستم ظریف ہوں گے۔ ویسے اصل اہمیت تو واقعی عام شہری کی ہی ہوئی چاہئے“..... بلیک زیرو نے کہا اور عمران مسکرا دیا۔

”چلو اگر چیف آف سیکرٹ سروس نے عام شہری کی اہمیت کو تسلیم کر لیا ہے تو یہی اس کے لئے غنیمت ہے۔ وہ اجازت والی بات کا کیا ہوا“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”انسنس۔ کیا واقعی اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے“..... دوسری طرف سے جولیا نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ایک منٹ صاحب آرہے ہیں شاید“..... عمران نے سلیمان کے لہجے میں کہا۔

”کس کا فون ہے سلیمان“..... عمران نے رسیور کو منہ سے کچھ دور کر کے اپنی اصل آواز میں کہا۔

”مس جولیا کا ہے“..... پھر اس نے خود ہی سلیمان کے لہجے میں جواب دیا۔

”ارے واقعی۔ اود مجھے تو خیال ہی نہ رہا تھا۔ میں خواہ مخواہ سارے شہر میں خوار ہوتا رہا“..... عمران نے بڑے مسرت بھرے لہجے میں کہا اور پھر رسیور منہ کے قریب کر لیا۔

”ہیلو جولیا۔ میں عمران بول رہا ہوں“..... عمران کے لہجے میں شہد جیسی گھلاوٹ تھی۔

”سلیمان کہہ رہا تھا کہ تم ماڈل گرلز کی تلاش میں شہر گئے ہو۔“ دوسری طرف سے جولیا نے سخت لہجے میں پوچھا۔

”ہاں لیکن مت پوچھو جولیا کیا حشر ہوا ہے میرا۔ شاید اللہ تعالیٰ نے حسن کی فیکٹری ہی بند کر دی ہے۔ سارے شہر کی گرلز دیکھ لیں لیکن کوئی ایسی نظری نہ آئی جسے ماڈل کہا جاسکے۔ اب سلیمان نے بتایا ہے تو میرا اپنی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہ رہا ہے کہ خواہ مخواہ شہر میں خوار ہوتا پھرا۔ ماڈل تو کیا سپر ماڈل ماشا۔ اللہ پہلے سے موجود ہے۔“ عمران

فون جو لیا کا ہی ہوگا۔

”سلیمان بول رہا ہوں“..... عمران نے جان بوجھ کر سلیمان کی آواز میں بات کرتے ہوئے کہا۔

”جولیا بول رہی ہوں۔ عمران سے بات کراؤ“..... دوسری طرف سے واقعی جولیا ہی تھی۔

”مس صاحبہ۔ عمران صاحب تو ماڈل گرلز کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں“..... عمران نے کہا۔

”کیا۔ کیا کہہ رہے ہو۔ کس کی تلاش میں“..... دوسری طرف سے جولیا نے عمران کی توقع کے عین مطابق چوہکتے ہوئے پوچھا۔

”ماڈل گرلز۔ آج کسی ہوٹل میں کوئی ڈریس شو ہو رہا ہے اور صاحب پر ضد سوار ہو گئی ہے کہ ان سے بڑا ڈریس ڈیزائنریور دنیا میں اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ بھی ہوٹل میں اپنے ڈیزائن کیے ہوئے لباسوں کا شو کرائیں گے۔ اس لئے اب وہ ماڈل گرلز کی تلاش کے لئے گئے ہوئے ہیں“..... عمران نے سلیمان کی آواز میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”کیا اس نے لباس بنوائے ہیں“..... جولیا نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔

”یہاں فلیٹ پر تو صرف مردانہ ڈریس ہی ہیں۔ میں نے پوچھا تھا تو کہنے لگے کہ ماڈل گرلز مل جائیں تو ان کے ناپ کے ڈریس بھی سلوائے جائیں“..... عمران نے کہا۔

لینا..... عمران نے جواب دیا اور جو لیا بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اس کی ہنسی میں مسرت کی جو بے ساختہ ہر تھی اسے محسوس کر کے عمران نے بے اختیار اپنے سر پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔

”اس کا مطلب ہے تم بھی ہمارے ساتھ آج فنکشن دیکھنے چل رہے ہو.....“ جولیانے کہا۔

”فنکشن کس فنکشن کی بات کر رہی ہو۔ کہیں اپنے رقیب روسفید کی منگنی وغیرہ تو نہیں ہو رہی۔ اگر ایسا ہے تو پھر تو میں شہر سے دس بارہ آدمی گھیر کر ساتھ لے جاؤں گا تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس کا ارادہ بدل جائے.....“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ڈریس شو کی بات کر رہی ہوں۔ آج کل فراغت ہے۔ اس لئے ہم سب نے مل کر یہی فیصلہ کیا کہ فنکشن دیکھا جائے۔ پھر چیف سے اجازت بھی لے لی گئی ہے۔ لیکن مسئلہ سیٹوں کا ہے۔ سیٹیں صرف آٹھ ملی ہیں۔ لیکن ظاہر ہے تمہارے لئے تو سیٹ کوئی مسئلہ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے تم اس کا خود انتظام کر لو گے.....“ جولیانے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

”آٹھ سیٹیں مل گئی ہیں۔ میں نے تو سنا تھا کہ ایک ہفتہ پہلے بکنگ مکمل ہو گئی تھی.....“ عمران نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”صفر کا کوئی دوست وہاں نیچر ہے۔ اس نے کیا ہے انتظام۔ صفر نے تو بہت کوشش کی کہ نو سیٹیں مل جائیں لیکن نیچر نے

نے اور زیادہ شیریں لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا۔  
”کس کی بات کر رہے ہو.....“ جولیا کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس نے جان بوجھ کر یہ فقرہ کہا ہے۔

”ہے ایک محترمہ اس کا نام ہے جولیانہ فٹز ڈائر۔ جانتی ہو اسے.....“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
”تمہیں پتہ ہے ماڈل گرل کسے کہتے ہیں.....“ جولیانے غصیلے لہجے میں کہا۔

”ہاں بالکل جانتا ہوں۔ ایسی خاتون جو ہر لحاظ سے ماڈل ہو۔ بالکل ماڈل.....“ عمران نے کہا۔

”ہوٹل میں ڈریس شو ہو رہا ہے سمجھے۔ مقابلہ حسن نہیں ہو رہا.....“ جولیانے مصنوعی غصے بھرے لہجے میں کہا۔

”ارے ڈریس شو کا تو صرف نام ہی ہوتا ہے۔ اصل تو مقابلہ حسن ہی ہوتا ہے۔ ورنہ جس قسم کے لباس ان خواتین نے پہن رکھے ہوئے ہیں۔ ایسے لباس ڈیزائن کرنے کے لئے کسی مہارت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ عام سے ٹیلر ماسٹروں کے اناڑی شاگردان سے اچھے ڈریس ڈیزائن کر سکتے ہیں۔ پھر تم تیار ہو۔ سنا ہے بہت بھاری انعام ہے اول آنے والے کے لئے اور مجھے یقین ہے کہ میرا ڈیزائن کردہ ڈریس ہی اول آئے گا۔ کیونکہ اسے تم نے پہن رکھا ہو گا.....“ عمران نے کہا۔

”کون سا ڈریس.....“ جولیا کی مسکراتی ہوئی آواز سنائی دی۔  
”ارے یہ کون سا مسئلہ ہے۔ جو ڈریس تمہیں خود اچھا لگتا ہو یہیں



نکمانہ لہجے میں کہا۔

”لیکن اب ایک سیٹ کے لئے تو کسی کی منت کرتے مجھے شرم آنے لگی۔ دس بارہ سیٹوں کی بات ہوتی تو علیحدہ بات تھی۔“ عمران نے جواب دیا۔

”دس بارہ سیٹیں۔ ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ ایک سیٹ نہیں مل سکتی اب دس بارہ کی بات کر رہے ہو“..... جولیا نے عصیلے لہجے میں کہا۔

”وہ دراصل ہوٹل عالمیشان کا جو انچارج باورچی ہے ناں وہ اپنے آغا سلیمان پاشا کا شاگرد ہے۔ میں نے اسے کہا تھا کہ وہ ایک آدھ سیٹ کا اسے کہہ دے لیکن وہ بگڑ گیا کہ یہ اس کی بے عزتی ہے۔ کم از کم دس سیٹوں کی تو بات کر سکتا ہے“..... عمران نے بات بناتے ہوئے کہا۔

”دس ہوں یا بارہ بہر حال تم نے ساتھ جانا ہے۔ تم تیار رہنا ہم تمہیں تمہارے فلیٹ سے لے لیں گے“..... دوسری طرف سے جولیا نے کہا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا۔ عمران نے بے اختیار ایک طویل سانس لیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے خواہ مخواہ ارشد حسین سے دس سیٹیں ریزرو کرالیں۔ چنانچہ اس نے ایک بار پھر رسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

”ہوٹل عالمیشان“..... دوسری طرف سے نسوانی آواز سنائی دی۔

”مینجر صولت مند خان سے بات کرائیں“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا کیونکہ دوسری طرف وہی محترمہ تھیں جو پہلے عام

معذرت کر لی“..... جولیا نے کہا۔

”چلو ایسا کرتے ہیں کہ تنویر کو ڈراپ کر دیتے ہیں۔ پھر تو میں ایڈجسٹ ہو جاؤں گا“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اس نے تمہیں گولی مار دینے سے بھی گریز نہیں کرنا۔ وہی تو اس سارے پلان میں سب سے آگے آگے تھا“..... جولیا نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

”پھر تو مشکل ہے مس جولیا۔ آج فنکشن ہے آج میں کیسے سیٹ حاصل کروں گا اور پھر اگر سیٹ ملی بھی ہو تو تم سے دور ملے گی۔ وہاں اکیلا بیٹھ کر میں کیا کروں گا چلو کوئی بات نہیں تم سب دیکھ آؤ فنکشن میرا کیا ہے۔ میں باہر کھڑا رہ کر آنے جانے والوں کو دیکھتا رہوں گا“..... عمران نے بڑے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

”کیا مطلب کیا تم ایک سیٹ کا بھی بندوبست نہیں کر سکتے۔ علیحدہ سیٹ کی فکر مت کرو وہاں ایڈجسٹمنٹ ہو جایا کرتی ہے۔“ جولیا نے عصیلے لہجے میں کہا۔

”تم خود سوچو جولیا۔ آج کہاں سے سیٹ ملے گی۔ جب مینجر نے نوں سیٹ دینے سے معذرت کر لی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ واقعی کوئی سیٹ نہیں ہوگی۔ اب تو صرف ایک ہی چانس ہے کہ تم سیٹ پر پہنچ جاؤ اور میں تمہاری سیٹ پر بیٹھ جاؤں“..... عمران نے جواب دیا۔

”سنو تم نے ہمارے ساتھ فنکشن پر جانا ہے اور بس۔ اب سیٹ تم کیسے حاصل کرتے ہو۔ یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ سمجھئے“..... جولیا نے

”آپ کی تعریف کا شکریہ۔ فرمائیے۔“..... دوسری طرف سے اس بار  
بچہ خود بخود نرم ہو گیا تھا اور عمران مسکرا دیا۔

”آپ کی صولت مطلب ہے رعب دبدبے کو دیکھ کر اب ہم جیسے  
عام شہری بھلا کیسے فرما سکتے ہیں۔ ہم تو عرض ہی کر سکتے ہیں۔“ عمران  
نے جواب دیا۔

”عام شہری کیا مطلب۔ آپ کون صاحب ہیں۔ مجھے تو بتایا گیا ہے  
کہ ارشد صاحب کے بھتیجے بات کرنا چاہتے ہیں۔“..... دوسری طرف  
سے حیرت بھرے لہجے میں کہا گیا۔

”ارشد صاحب کے بھتیجے کیا عام شہری نہیں ہو سکتے۔“..... عمران  
نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”جی۔ جی۔ بالکل ہو سکتے ہیں۔ لیکن اتنی سہربانی ضرور کیجئے کہ آج  
فنکشن ہے اور میں اس قدر مصروف ہوں کہ عام شہری تو کیا خاص  
شہری کو بھی زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔ البتہ اگر آپ کل فون کریں  
تو میری طرف سے اجازت ہے۔ جتنی دیر آپ جی چاہے باتیں کرتے  
رہیں میں سنتا رہوں گا۔“..... دوسری طرف سے کہا گیا۔

”اچھا واقعی آپ کی مصروفیت کا احساس کرتے ہوئے آج آپ کو  
معاف کیا جاسکتا ہے۔ میرا نام علی عمران ہے۔“..... عمران نے کہا۔

”اوہ۔ اوہ۔ آپ۔ ہاں ارشد صاحب نے مجھے فون کر دیا تھا۔ آپ  
کے لئے دس سیٹیں خصوصی طور پر لگا دی جائیں گی۔“..... صولت مند  
خان نے چونکتے ہوئے کہا۔

شہری کے الفاظ سے الرجک ہو رہی تھی۔

”آپ کون صاحب بات کر رہے ہیں۔“..... دوسری طرف سے  
حسب توقع پوچھا گیا۔

”صاحب نہیں عام شہری بات کر رہا ہوں۔ جس روز عام شہری  
صاحب ہونے لگ گئے اس روز اس ملک کی تقدیر ہی بدل جائے  
گی۔“..... عمران نے جواب دیا۔

”اوہ۔ اوہ۔ اچھا۔ میں بات کراتی ہوں۔“..... دوسری طرف سے  
بو کھلائے ہوئے لہجے میں کہا گیا اور عمران مسکرا دیا کیونکہ وہ جانتا تھا  
کہ استقبالیہ لڑکی کو معلوم ہے کہ عام شہری ہوٹل کے بورڈ آف  
ڈائریکٹرز کے چیئرمین ارشد حسین کا بھتیجا ہے۔

”ہیلو صولت مند خان بول رہا ہوں۔“..... چند لمحوں بعد ایک  
کڑک دار آواز سنائی دی۔

”آپ تو واقعی اسم باسمی ہیں۔ یعنی جیسا آپ کا نام ہے ویسے ہی آپ  
ہیں۔ ماشاء اللہ کیا آواز میں کیا صولت ہے کہ آواز سن کر ہی دل کانپ  
اٹھتا ہے۔“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا۔ کیا مطلب۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“..... دوسری طرف  
سے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”صولت کا معنی رعب دبدبہ وقار ہی ہوتا ہے ناں اور آپ کی آواز  
میں بھی یہ ساری خصوصیات موجود ہیں۔“..... عمران نے جواب دیا تو  
دوسری طرف سے چند لمحے خاموشی طاری رہی۔

”کل کا ناشتہ۔ اس کا کیا تعلق“..... عمران نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”حفظ ماتقدم کے طور پر پوچھا ہے۔ بہر حال آپ ڈریس شو دیکھنے جا رہے ہیں“..... سلیمان نے کہا تو عمران بے اختیار ہنس پڑا وہ سلیمان کی گہری بات سمجھ گیا تھا۔

”فکر نہ کرو میں رات کو ہی واپس آ جاؤں گا“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”خدا کرے ایسا ہی ہو“..... سلیمان نے کہا اور تیزی سے واپس مڑ گیا اور عمران ایک بار پھر اس کے اس فقرے پر ہنس کر رہ گیا۔

”اسی لئے میں نے آپ کو فون کیا ہے کہ ارشد صاحب تو چیئرمین تھے۔ ان سے کم سیٹیں طلب کرنا ان کی توہین تھی۔ جب کہ آپ مینجر ہیں اور وہ بھی صولت مند مینجر اس لئے آپ سے بات کی جاسکتی ہے کہ آپ صرف ایک سیٹ میرے لئے رکھ دیں۔ کافی ہے“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوہ اچھا ٹھیک ہے جناب شکریہ“..... دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا۔

”واقعی مصروف ہے بیچارہ“..... عمران نے کہا اور رسیور رکھ کر اس نے سلیمان کو آواز دی۔

”جی صاحب“..... دوسرے لمحے سلیمان نے دروازے پر نمودار ہوتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا کیونکہ وہ آواز سے ہی عمران کے موڈ کو پہچان گیا تھا۔

”اگر تم ڈریس شو دیکھنا چاہتے ہو تو مجھے بتا دو“..... عمران نے اسی طرح سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”ڈریس شو دیکھ کر کیا کروں گا صاحب روز سڑکوں پر شو دیکھتا رہتا ہوں“..... سلیمان نے جواب دیا۔

”او کے پھر رات کا میرے لئے کھانا تیار نہ کرنا“..... عمران نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے صاحب کل کے ناشتے کے بارے میں کیا خیال ہے۔“ سلیمان نے اسی طرح سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”کیا کہہ رہے ہو“... ارباب نے ایسے لہجے میں کہا جیسے اسے اس اطلاع پر یقین نہ آیا ہو۔

”میں درست کہہ رہا ہوں باس اس لئے میں نے آپ کو فون کیا ہے کیونکہ مجھے اطلاع ملی تھی کہ آپ نے بھی اس فنکشن کے لئے سیٹیں ریزر د کرائی ہیں“..... دوسری طرف سے کہا گیا۔

”میں نے تو کرائی ہوئی ہیں لیکن وہاں تو سینکڑوں افراد ہوں گے۔ یہ تو قتل عام ہوگا۔ پوری تفصیل بتاؤ“..... ارباب نے ہونٹ ہینچتے ہوئے کہا۔

”تفصیل کا علم نہیں ہو سکا باس۔ ابھی ابھی مجھے ایک مبہم سی اطلاع ملی ہے کہ ہوٹل کے ایک ویئر نے ایک ایسے آدمی سے خفیہ ملاقات کی ہے۔ جو بم بلاسٹ کے سلسلے میں پولیس کو مطلوب تھا اور اس آدمی نے اس ویئر کو ایک پیکیٹ دیا ہے۔ جس پر جان بچانے والی ادویات لکھا ہوا تھا“..... ارجمند نے کہا۔

”تو اس سے تم نے یہ بات کیسے سمجھ لی کہ وہاں بم بلاسٹ ہوگا“۔ ارباب نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”باس کچھ عرصہ پہلے کمیٹی چوک پر جو بم بلاسٹ ہوا تھا اس کی تحقیقات کے دوران یہ بات بھی سامنے آئی تھی کہ یہ ایک ایسے پیکیٹ میں رکھا گیا تھا جس پر جان بچانے والی ادویات چھپا ہوا تھا“۔ ارجمند نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”وہ آدمی کون ہے جس نے یہ پیکیٹ دیا ہے اور ویئر کون

ٹیلی فون کی گھنٹی بجتے ہی ارباب نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔

”ہی“..... ارباب نے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔

”ارجمند بول رہا ہوں جناب“..... دوسری طرف سے ایک آواز سنائی دی۔

”کیا بات ہے۔ کیوں فون کیا ہے“..... ارباب نے اسی طرح سپاٹ لہجے میں کہا۔

”باس ایک اہم ترین اطلاع ملی ہے“..... دوسری طرف سے کہا گیا۔

”کیا ہے“..... ارباب کا لہجہ اسی طرح سپاٹ تھا۔

”باس ہوٹل عالمیشان میں آج رات ڈریس شو کا فنکشن ہے اور اطلاع یہ ہے کہ اس دوران انتہائی خوفناک دھماکے کا بندوبست کیا جا رہا ہے“..... دوسری طرف سے کہا گیا تو ارباب بے اختیار اچھل پڑا۔

ہے۔..... ارباب نے پوچھا۔

”آدمی کے بارے میں تو معلوم ہو گیا ہے اس کا نام سیف ہے۔ وہ اس سلسلے میں معروف آدمی نیامت کا خاص آدمی ہے۔ البتہ ویٹر کے بارے میں معلومات نہیں مل سکیں۔..... ارجمند نے جواب دیا۔

”اودہ پھر تو یہ اطلاع پولیس اور ہوٹل انتظامیہ کو پہنچا دینی چاہئے۔..... ارباب نے کہا۔

”میں نے آپ کو فون کرنے سے پہلے ہوٹل کے منیجر کو گناہم کال کی تھی لیکن اس نے میری بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ انہوں نے ہر قسم کے حفاظتی انتظامات کر لئے ہیں۔..... ارجمند نے جواب دیا۔

”پولیس بھی یہی جواب دے گی۔ یہاں کی پولیس جرم کو روکنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتی۔ جرم ہونے کے بعد بھاگ دوڑ کرتی ہے۔ بہر حال ٹھیک ہے اس اطلاع کا شکریہ۔..... ارباب نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔ اسی لمحے دروازہ کھلا اور لیلیٰ اندر داخل ہوئی۔

”کیا ہوا یہ تمہارے چہرے سے اطمینان کا میک اپ کہاں غائب ہو گیا ہے۔..... لیلیٰ نے کہا۔

”اطمینان کا میک اپ۔..... ارباب نے چونک کر کہا۔

”ظاہر ہے تم مردوں کا اصل چہرہ تو ہوتا ہے۔ پریشان۔ وہاؤ کا شکار بس تم لوگ اطمینان اور سکون کا میک اپ کر لیتے ہو۔..... لیلیٰ نے منہ بتاتے ہوئے جواب دیا۔

”ہوتا تو نہیں۔ لیکن اس وقت واقعی ایسا ہی بن گیا ہو گا۔ کیونکہ مجھے تمہارے چہرے پر ابھرنے والے ان تاثرات کا احساس ہو رہا ہے جو ابھی میری بات پر سامنے آئیں گے۔..... ارباب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب۔ کہیں بیٹھے بیٹھے تمہاری کوئی ذہنی رگ تو کام نہیں چھوڑ گئی۔..... لیلیٰ نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”تم ایک رگ کی بات کر رہی ہو مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے پورا دماغ ہی کام چھوڑ گیا ہو۔..... ارباب نے جواب دیا۔

”آخر ہوا کیا ہے۔ تم یہ اپنی سسپنس پھیلانے والی عادت ختم نہیں کر سکتے۔..... لیلیٰ نے عصیلے لہجے میں کہا۔

”میں نے ہوٹل عالیشان میں آج کے فنکشن کے لئے ریزرو کرائی گئیں سیٹیں کینسل کرانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔..... ارباب نے جواب دیا تو لیلیٰ بے اختیار اچھل پڑی۔

”اودہ۔ اودہ تو کیا واقعی دماغ میں خرابی پیدا ہو چکی ہے۔ کسی ماہر نفسیات کو فون کرو۔..... لیلیٰ نے کہا۔

”ارجمند نے ابھی اطلاع دی ہے کہ ہوٹل عالیشان کے آج رات کے فنکشن میں ہم بلاسٹنگ کا پلان بنایا جا رہا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارے جسم کو ہزاروں لاکھوں ٹکڑوں میں تقسیم ہوتے دیکھوں۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ انہوں نے ہم رکھنے کے لئے تمہاری کرسی ہی منتخب کرنی ہے۔ کیونکہ تم کرسی کو حرکت ہی نہ دے سکو گے۔“

ارباب نے جواب دیا۔

"ارجمند نے اطلاع دی ہے۔ وہ تو انتہائی باخبر آدمی ہے۔ پھر تو تمہیں ہوٹل انتظامیہ اور پولیس کو فوری اطلاع کرنی چاہئے۔ یہ تو قتل عام ہوگا۔" لیلیٰ نے کہا۔

"ارجمند نے ہوٹل والوں کو فون کیا ہے۔ لیکن انہوں نے یہ کہہ کر لفٹ نہیں کرائی کہ انہوں نے مکمل حفاظتی انتظامات کر رکھے ہیں اور پولیس کے بارے میں ہمیں پہلے ہی کافی تلخ تجربے ہو چکے ہیں۔" ارباب نے جواب دیا۔

"لیکن اس طرح خاموش بیٹھ جانا بھی تو ظلم ہے۔ ہمیں اس سلسلے میں کچھ کرنا چاہئے۔" لیلیٰ نے کہا۔

"تم بتاؤ کیا کروں؟" ارباب نے کہا تو لیلیٰ بے اختیار چونک پڑی۔

"عمران کو فون کرو۔ اگر اسے جہاری بات پر یقین آگیا تو وہ لازماً کچھ نہ کچھ کرے گا۔" لیلیٰ نے کہا تو ارباب بھی چونک پڑا۔

"ہاں واقعی تم نے ٹھیک کہا ہے۔ بعض اوقات واقعی خواتین کا ذہن خلاف توقع کام کرنے لگ جاتا ہے۔" ارباب نے مسکراتے ہوئے کہا اور ساتھ پڑے ہوئے فون کا رسیور اٹھا کر اس نے تیزی سے نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

"حقیر فقیر پر تقصیر۔ بیچ بدان۔ بندہ نادان علی عمران ولد سر عبدالرحمان کا ایک باورچی ہے آغا سلیمان۔ جو کرتا رہتا ہے پریشان۔

جی فرمائیے مہربان۔" رابطہ ہوتے ہی عمران کی زبان پوری روانی سے شروع ہو گئی تھی اور ارباب اور لاؤڈر پر اس کی باتیں سننے والی لیلیٰ دونوں ہی بے اختیار ہنس پڑے تھے۔

"ارباب بول رہا ہوں عمران صاحب آپ جس سپیڈ سے بات کرتے ہیں اس سے تو مجھے شک پڑتا ہے کہ کہیں آپ کے منہ میں نہ ہو عورتوں والی زبان۔" ارباب نے بھی آخر میں قافیہ ملا دیا تھا اور اس بار دوسری طرف سے عمران کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔

"بڑی عقل مندانہ بات کر گئے ہو نادان۔" عمران نے جواب دیا اور ارباب بے اختیار قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"میرا خیال ہے۔ عمران صاحب اب یہ قافیہ بندی ختم ہو جانی چاہئے کیونکہ جو خبر میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ انتہائی وحشت انگیز ہے۔" ارباب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایسا کون سا ٹوٹ پڑا ہے آسمان؟" دوسری طرف سے عمران نے کہا تو ارباب ایک بار پھر ہنس پڑا۔

"آپ کو تو واقعی شاعر ہونا چاہئے تھا۔ ہوٹل عالیشان میں آج رات فنکشن ہے اور مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہاں بم بلاسٹ کرنے کا پلان بنایا جا رہا ہے۔ انتظامیہ اور پولیس دونوں ہی اس پر یقین نہیں کر رہے۔ نلے میں نے سوچا کہ آپ کو فون کر کے بتا دوں۔" ارباب نے تجویز پیش کی۔

"کس نے دی ہے تمہیں یہ خبر پریشان؟" عمران نے کہا۔

ہوئے۔ اس پر میں نے یہی اندازہ لگایا کہ آپ کو میری اس بات پر یقین نہیں آیا..... ارباب نے جواب دیا۔

”تم گرین کارڈ کے سربراہ ہو۔ تمہاری بات پر کسے یقین نہیں آئے گا۔ لیکن میں نے تو اس خبر کی تفصیل پوچھی تھی۔ کیونکہ اتنا مجھے بھی معلوم ہے کہ ہوٹل انتظامیہ اور سپیشل پولیس دونوں نے اس فنکشن کے لئے خصوصی انتظامات کیے ہوئے ہیں.....“ عمران نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”مجھے میرے ایک انتہائی بااعتماد آدمی نے اطلاع دی ہے۔“ ارباب نے کہا اور پھر اس نے ارجمند سے ہونے والی اپنی ساری بات دوہرا دی۔

”اس آدمی سیف کے بارے میں تمہارا منہر جانتا ہوگا۔ اس کے بارے میں مزید تفصیلات کیا ہیں.....“ عمران نے پوچھا۔

”لیکن اس وقت ہمیں کتے کے پیچھے بھاگنے کی بجائے اپنا کان سنبھالنا چاہئے۔ وہ آدمی جب تک ملے گا تب تک تو شاید وہاں دھماکہ بھی ہو چکا ہو.....“ ارباب نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”دھماکہ نہیں ہوگا۔ یہ تو میری طرف سے گارنٹی کچھو کیونکہ اب تمہاری اطلاع کے بعد میں سنٹرل انٹیلی جنس میں اپنے دوست سپرنٹنڈنٹ فیاض کو خبردار کر دوں گا اور وہ وہاں ایسی مشینری نصب کر دے گا جس کے بعد کوئی بھی باوردی بم فائر نہ ہو سکے گا۔ لیکن اس آدمی کا سراغ لگایا جانا ضروری ہے.....“ عمران نے اس بار سنجیدہ لہجے

”اس کا مطلب ہے کہ آپ کو بھی یقین نہیں آیا۔ اوکے۔ آپ کی مرضی میں نے بہر حال اپنا فرض ادا کر دیا ہے.....“ ارباب نے کہا اور اس کے ساتھ اس نے رسیور رکھ دیا۔

”یہ شخص سنجیدہ ہی نہیں ہوتا.....“ ارباب نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اسے عمران کے اس غیر سنجیدہ رویے پر خاصی مایوسی ہوئی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ لیلیٰ کوئی جواب دیتی۔ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

”یس.....“ ارباب نے حسب عادت رسیور اٹھا کر کہا۔

”اس کا مطلب ہے کہ میری کسی سیاست دان سے بات ہو رہی ہے.....“ دوسری طرف سے عمران کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”یہ آپ نے کیسے اندازہ لگایا عمران صاحب.....“ ارباب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”عقل مندوں کا قول ہے اور یہ عقلمند بھی عجیب ہوتے ہیں۔ ہر وقت قول ہی بناتے رہتے ہیں۔ بہر حال قول یہ ہے کہ جو عورت یس کہے وہ عورت نہیں اور جو سیاست دان تو کہے وہ سیاست دان نہیں ہو سکتا.....“ عمران نے جواب دیا اور ارباب بے اختیار ہنس پڑا۔

”قول تو واقعی درست ہے.....“ ارباب نے جواب دیا۔

”اگر قول درست ہے تو پھر تم نے فون کیوں بند کر دیا تھا۔“ عمران نے کہا۔

”اس لئے کہ اس قدر بھیانک خبر سن کر بھی آپ سنجیدہ نہیں

”ارجمند صاحب سے بات کرائیں میں ان کا دوست بول رہا ہوں“..... ارباب نے نرم لہجے میں کہا۔

”یس سر، ہو لڈ آن کریں“..... دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد دوسری طرف سے ارجمند کی آواز سنائی دی۔

”ہیلو ارجمند بول رہا ہوں“..... ارجمند کا لہجہ سپاٹ تھا۔

”ارباب بول رہا ہوں۔ فون محفوظ کر لو“..... ارباب نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”یس سر، ہو گیا“..... دوسری طرف سے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد جواب دیا گیا۔

”ہم بلاسٹ کے سلسلے میں تم نے جس آدمی سیف کا ذکر کیا تھا۔ اس کے بارے میں مزید تفصیلات مہیا کر سکتے ہو“..... ارباب نے کہا۔

”جی ہاں اگر کوشش کی جائے تو مل تو سکتی ہیں۔ لیکن تفصیلات تو مل سکتی ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ اس وقت کہاں ہوگا۔“

ارجمند نے جواب دیا۔

”جو تفصیلات مہیا ہو سکیں وہ معلوم کر کے مجھے فون پر بتاؤ۔“

ارباب نے کہا۔

”اس ہم بلاسٹ کے سلسلے میں آپ کے کہنے پر میں نے پولیس ہیڈ کوارٹر بھی کال کی تھی لیکن انہوں نے بھی کوئی لفٹ نہیں کرائی“..... ارجمند نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

میں کہا۔

”اوہ پھر ٹھیک ہے۔ میں معلومات کر کے آپ کو بتا دوں گا۔“

ارباب نے کہا اور دوسری طرف سے عمران نے خدا حافظ کہہ کر رابطہ ختم کر دیا تو ارباب نے بھی رسیور رکھ دیا۔ اب اس کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات نمایاں تھے۔

”اب تو فنکشن دیکھا جاسکتا ہے“..... ارباب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں میں یہ رسک نہیں لے سکتی اور نہ تمہیں وہاں جانے دوں گی“..... لیلیٰ نے جواب دیا۔

”لیکن اب تو عمران نے دھماکہ نہ ہونے کی گارنٹی دے دی ہے“..... ارباب نے کہا۔

”ویتا رہے۔ بس میں نے کہہ دیا ہے کہ رسک نہیں لیا جاسکتا اور بس یہ فاسٹل ہے“..... لیلیٰ نے کہا اور اٹھ کر بیردنی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

”اب میں تریا ہٹ کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا۔ ٹھیک ہے۔ ایسے ہی سہی“..... ارباب نے مسکراتے ہوئے کہا لیلیٰ کوئی جواب دیے بغیر خاموشی سے کمرے سے باہر چلی گئی تو ارباب نے رسیور اٹھایا اور تیزی سے نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیے۔

”راجہ ٹریڈنگ کارپوریشن“..... رابطہ قائم ہوتے ہی ایک مردانہ آواز سنائی دی۔



”اس کی فکر مت کرو میں نے اس کا بندوبست کرادیا ہے۔ اب وہاں دھماکہ نہیں ہوگا لیکن اس تنظیم کو ٹریس کرنا ضروری ہے۔ ہمیں اس سلسلے میں بک کر لیا گیا ہے“..... ارباب نے کہا۔

”پوری تنظیم کو لیکن“..... ارجمند نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”پوری تنظیم کو نہیں اس سیف کے بارے میں تفصیلات کے حصول کی بکنگ ہوئی ہے۔ باقی کام وہ لوگ خود کر لیں گے“۔ ارباب نے کہا۔

”یس سر ٹھیک ہے۔ میں معلومات حاصل کرتا ہوں“۔ ارجمند نے کہا۔

”مکمل تفصیلات معلوم کرو۔ تمہارا معاوضہ تمہیں پہنچ جائے گا“۔

ارباب نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے جناب“..... دوسری طرف سے کہا گیا اور ارباب نے رسیور رکھ کر ایک طویل سانس لیا۔ اس نے جان بوجھ کر معاوضے کی بات کی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جب تک ارجمند کو معاوضہ نہیں ملے گا وہ درست طور پر کام نہیں کرے گا اور ظاہر ہے یہ معاوضہ وہ خود ادا کرے گا۔ اب وہ عمران سے تو معاوضہ مانگنے سے رہا۔

عمران نے جیسے ہی میز پر رکھے ہوئے اخبارات میں سے ایک اخبار اٹھایا وہ بری طرح اچھل پڑا۔ اخبار دو اتہائی خوفناک بم دھماکوں اور اس سے ہلاک ہونے والے افراد کی چیختی چنگھاڑتی خبروں سے بھرا ہوا تھا۔

”دو دھماکے دہری بیڈ“..... عمران نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا اور پھر اس نے تیزی سے خبر کی تفصیلات پڑھنی شروع کر دیں۔ تفصیل پڑھنے کے بعد اس نے اخبار واپس میز پر رکھ دیا۔ اسی لمحے سلیمان ٹرالی وہکیلتا ہوا اندر داخل ہوا۔ وہ ناشتہ لے آیا تھا۔

”خیریت صاحب“..... سلیمان نے عمران کا چہرہ دیکھتے ہی پریشان سے لہجے میں کہا۔

”شہر میں دو بم بلاسٹ ہوئے ہیں اور بے شمار افراد ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں۔ ایک بم ریلوے اسٹیشن پر اس وقت بلاسٹ ہوا ہے جب

ارباب کے فون ملنے پر اس نے وزارت داخلہ کے سیکرٹری کو یہ بتا دیا تھا کہ اس ہوٹل میں فنشکن کے دوران بم بلاسٹ کئے جانے کی اطلاعات ملی ہیں۔ اس لئے وہ سپیشل بم ڈیٹکنر مشین بھجوا کر نہ صرف اس بم کو ٹریس کرائیں بلکہ وہاں ایسی خصوصی مشینری بھی نصب کرا دیں کہ جس کی موجودگی میں بم بلاسٹ نہ ہو سکے اور پھر شام کو وہاں جانے سے پہلے اس نے اس کے بارے میں باقاعدہ رپورٹ بھی حاصل کر لی تھی۔ رپورٹ کے مطابق ہوٹل کے ہال میں ایک گٹلے کے اندر سے ایک انتہائی طاقتور وائرلیس کنٹرول بم کا سراغ لگایا گیا تھا اور خصوصی ماہرین نے اسے ناکارہ کر دیا تھا۔ گو ہوٹل میں بم بلاسٹ کا سن کر اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ صبح وہ صدیقی کو دوبارہ اس جانی کے اڈے پر بھیجے گا۔ کیونکہ جانی نے انہیں اس لعل خان کی آمد کا جو دن بتایا تھا یہ کارروائی اس سے پہلے کنسیے ہو گئی۔ لیکن یہ بات تو اس کے تصور میں بھی نہ تھی کہ اس طرح دو بم بلاسٹ ہو جائیں گے۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ اٹھا اور ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ لباس تبدیل کر کے جب وہ باہر آیا تو سلیمان خالی برتن لے جا چکا تھا۔ عمران نے رسیور اٹھایا اور تیزی سے نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

”ایکسٹنٹ“..... رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے بلیک زیرو کی مخصوص آواز سنائی دی۔

”عمران بول رہا ہوں طاہر۔ تم نے رات دارالحکومت میں دو بم بلاسٹ ہونے کی خبریں تو پڑھ لی ہوں گی“..... عمران نے انتہائی

ایک ایکسپریس ٹرین آنے والی تھی اور لوگوں کا ریلوے اسٹیشن پر بھڑ تھا اور دوسرا بم ایک رہائشی بلڈنگ کے اندر بلاسٹ ہوا ہے۔ دونوں جگہوں پر کافی لوگ شہید اور بے شمار زخمی ہوئے ہیں“..... عمران نے کہا۔

”اوہ یہ تو واقعی انتہائی افسوسناک خبر ہے“..... سلیمان نے ناشتہ کا سامان میز پر لگاتے ہوئے کہا۔

”ناشتہ لے جاؤ۔ میرا دل نہیں چاہ رہا“..... عمران نے کہا۔  
”آپ ناشتہ کر لیں۔ ناشتہ نہ کرنے سے ان لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ جن کے ساتھ یہ ٹرمبڈی ہو چکی ہے۔ اللہ ناشتہ کر لینے کے بعد آپ ان کے خلاف زیادہ تہدہ ہی سے کام کر سکیں گے“۔ سلیمان نے بڑے بزرگانہ انداز میں عمران کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے“..... عمران نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا اور پھر سلیمان کے واپس جانے کے بعد اس نے ناشتہ کرنا شروع کر دیا لیکن اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ ناشتہ کر نہیں کر رہا بلکہ زہر مار کر رہا ہے۔

”میں ان بد بختوں کو وہ عبرت ناک سزا دوں گا کہ ان کی نسلیں بھی صدیوں روتی رہیں گی“..... عمران نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ ان دھماکوں کی تفصیلات پڑھ کر اسے واقعی بے حد شاک پہنچا تھا کیونکہ ان دھماکوں سے بے گناہ افراد ہلاک اور زخمی ہوئے تھے۔ رات وہ سیکرٹ سروس کے ممبران کے ساتھ ڈریس شو کے فنکشن پر گیا تھا۔

سجیدہ لہجے میں کہا۔

”ہاں عمران صاحب مجھے یہ سب کچھ پڑھ کر اتہائی افسوس ہوا ہے۔“..... بلیک زیرو نے جواب دیا۔

”تم ایسا کرو کہ سیکرٹری وزارت داخلہ کو کال کر کے ان سے معلوم کرو کہ جو بم رات ہوٹل علیشان سے ٹریس ہوا ہے وہ کہاں کا ساختہ ہے اور جو بم بلاسٹ ہوئے ہیں۔ ان کے ٹکڑوں کا بھی تجزیہ کیا گیا ہوگا۔ کیا یہ سب ایک ہی ملک کے ہیں یا علیحدہ علیحدہ ملکوں کے ساختہ ہیں۔“..... عمران نے کہا۔

”ہوٹل علیشان سے بم ٹریس ہوا ہے۔“..... بلیک زیرو نے بری طرح چونکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”اوہ اس خبر کو پڑھنے کے بعد یقیناً میرے ذہن پر بھی اثر ہو گیا ہے۔ تمہیں تو میں تفصیل بتانا ہی بھول گیا تھا۔“..... عمران نے کہا اور پھر اس نے ارباب کے فون کرنے اور پھر بطور ایکسٹو سیکرٹری وزارت داخلہ کو کال کرنے اور پھر ان سے بم کے ٹریس ہونے کی رپورٹ سمیت ساری تفصیل بتادی۔

”آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ یہ کارروائی دو علیحدہ علیحدہ گروپوں کی ہے یا ایک ہی گروپ کی ہے۔“..... بلیک زیرو نے کہا۔

”ہاں ہو سکتا ہے کہ یہاں ایک سے زیادہ گروپ کام کر رہے ہوں۔“..... عمران نے جواب دیا۔

”کیا آپ اس سلسلے میں سیکرٹ سروس کو استعمال کرنا چاہتے

ہیں۔“..... بلیک زیرو نے پوچھا۔

”نہیں فور سٹارز کام کرے گی۔“..... عمران نے جواب دیا اور کریڈل دبا کر اس نے ایک بار پھر نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

”یس۔“..... رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے ارباب کی آواز سنائی دی۔

”عمران بول رہا ہوں۔ تم نے دو بم بلاسٹ ہونے کی خبریں تو پڑھ لی ہوں گی۔“..... عمران نے سجیدہ لہجے میں کہا۔

”جی ہاں خبریں تو ابھی پڑھی ہیں۔ لیکن اطلاع مجھے رات کو ہی مل گئی تھی۔“..... ارباب نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ بھی بے حد سجیدہ تھا۔

”اس آدمی سیف کے بارے میں کچھ پتہ چلا۔“..... عمران نے کہا۔

”جی ہاں اس کی لاش تھانہ کینٹ میں پڑی ہوئی ہے۔ اسے رات کو ہی ہوٹل بہار میں گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا ہے۔ وہ اس ہوٹل کے ایک کمرے میں رہائش پذیر تھا۔ صبح اس کی لاش کمرے سے دستیاب ہوئی ہے۔“..... ارباب نے جواب دیا۔

”کیا اس کا تعلق دارالحکومت سے باہر کسی علاقے سے تھا جو وہ

ہوٹل میں رہ رہا تھا۔“..... عمران نے چونک کر پوچھا۔

”صرف اتنا پتہ چلا ہے کہ وہ پہلے دارالحکومت کے ایک محلے آریا آباد میں اپنے بیوی بچوں سمیت ایک کرائے کے مکان میں رہتا تھا۔ ایک

مل میں اسسٹنٹ سنور کیپر تھا۔ کچھ عرصہ پہلے جب بم بلاسٹنگ کی وارداتیں ہوئیں تو پولیس نے اسے بھی گرفتار کیا تھا۔ کیونکہ مل کے

”عمران بول رہا ہوں صدیقی.....“ عمران نے کہا۔  
 ”اودہ عمران صاحب یہ ہم بلاسٹنگ تو ہو بھی گئی۔ اکٹھے دو دھماکے  
 ہوئے ہیں.....“ صدیقی نے تیز لہجے میں کہا۔

”ہاں میں نے پڑھ لی ہیں خبریں۔ تم ایسا کرو کہ خاور اور چوہان  
 دونوں کو جانی کے ڈیرے پر بھیجو اور وہاں سے اسے اغوا کر کے یہاں  
 رانا ہاؤس پہنچا دو اور تم خود ہوٹل عالمیشان جاؤ۔ وہاں ایک چوکیدار  
 ہے الفت خان۔ اگر وہ ڈیوٹی پر ہو تو اسے اپنے ساتھ رانا ہاؤس لے آؤ  
 اور اگر وہ ڈیوٹی پر نہ ہو تو اس کے گھر کا پتہ کر کے وہاں سے اسے لے آؤ  
 لیکن یہ خیال رکھنا کہ یہ الفت خان مجرم نہیں ہے بلکہ اس سے میں  
 نے اس ہم بلاسٹنگ گروہ سے تعلق رکھنے والے ایک آدمی کے بارے  
 میں معلومات حاصل کرنی ہیں اس لئے اس پر کسی قسم کے تشدد کی  
 ضرورت نہیں ہے۔ سپیشل کارڈو کھا کر ساتھ لے آنا.....“ عمران نے  
 کہا۔

”ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا.....“ دوسری طرف سے صدیقی نے  
 جواب دیا اور عمران نے کریڈل دبایا اور ایک بار پھر نمبر ڈائل کرنے  
 شروع کر دیئے۔

”یس ٹائیگر بول رہا ہوں.....“ چند لمحوں بعد ٹائیگر کی آواز سنائی  
 دی۔ عمران کو معلوم تھا کہ ٹائیگر کافی دیر بعد اپنے ہوٹل سے نکلتا ہے  
 اس لئے اس نے ہوٹل فون کیا تھا ورنہ وہ اس سے ٹرانسمیٹر پر رابطہ  
 کرتا۔

سنور میں ایک دیسی ساخت کا ہم ملا تھا جو پولیس انکوائری کے مطابق  
 اس آدمی نے وہاں رکھا تھا۔ پولیس نے ایک دو روز اسے اپنی تحویل  
 میں رکھا پھر بے گناہ قرار دے کر رہا کر دیا۔ اس کے بعد اس نے وہ  
 مکان چھوڑ دیا اور مل کی ملازمت سے بھی علیحدہ ہو گیا۔ اس کے بعد  
 کافی عرصہ تک اس کا پتہ نہیں چل سکا۔ کل وہ پہلی بار ہوٹل عالمیشان  
 میں سامنے آیا اور اسے وہاں ایک چوکیدار نے پہچانا تھا۔ یہ چوکیدار  
 پہلے پولیس میں تھا اور وہاں سے ریٹائر ہو کر یہاں ہوٹل میں بطور  
 چوکیدار بھرتی ہوا تھا۔ اس چوکیدار نے اس کا ذکر ایک سپروائزر سے  
 کیا۔ وہاں سے میرے آدمی کو اطلاع ملی اور اس نے مجھے اطلاع دی۔  
 آپ کے کہنے پر میں نے اس کی مزید تفصیلات حاصل کرنے کے لئے  
 اپنے آدمیوں کو کہہ دیا تو آج انہیں اطلاع ملی کہ اس کی لاش تھانے پہنچ  
 چکی ہے۔ باقی معلومات پولیس تھانے سے حاصل ہوئی ہیں۔“ ارباب  
 نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”اس چوکیدار کا کیا نام ہے۔ جس نے اسے پہچانا تھا.....“ عمران  
 نے پوچھا۔

”اس کا نام الفت خان ہے.....“ ارباب نے جواب دیا۔  
 ”اودہ شکریہ.....“ عمران نے کہا اور کریڈل دبا کر اس نے ایک  
 بار پھر نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

”صدیقی بول رہا ہوں.....“ رابطہ قائم ہوتے ہی صدیقی کی آواز  
 سنائی دی۔

"عمران بول رہا ہوں"..... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔  
 "یس سر"..... ٹائیکر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"کینٹ کے علاقے میں کوئی ہوٹل ہے۔ ہوٹل بہار۔ وہاں کے ایک کمرے میں رات ایک آدمی سیف نامی کو گولی مار کر ہلاک کیا گیا ہے۔ اس کی لاش اس وقت تھانہ کینٹ میں موجود ہے۔ تم نے اس کے کمرے کی تلاشی لینی ہے اور اس کے بارے میں مزید معلومات بھی حاصل کرنی ہیں۔ اس آدمی کا تعلق بم بلاسٹنگ گروہ سے تھا۔" عمران نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"اوہ آپ رات ہونے والے دھماکوں کے بارے میں انکوائری کر رہے ہیں"..... ٹائیکر نے چونک کر کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ ان دھماکوں کا بھی اس انکوائری سے کوئی رابطہ ہو جائے۔ لیکن اس آدمی نے رات ہوٹل عالیشان میں بم بلاسٹ کرنے کی کوشش کی تھی جس کی اطلاع پہلے مل گئی اور بم کو ناکارہ بنا دیا گیا ہے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ رات کو اسے کسی نے اس کے کمرے میں گولی مار دی ہے"..... عمران نے ٹائیکر کو تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"یس باس میں معلومات حاصل کرتا ہوں"..... دوسری طرف سے ٹائیکر نے کہا اور عمران نے رسیور رکھ دیا اور پھر سلیمان کو بلا کر اس نے بتایا کہ وہ رانا ہاؤس جا رہا ہے۔ وہ دروازہ بند کر لے اور فلیٹ سے نکل کر اس نے اپنی کار گیراج سے نکالی اور رانا ہاؤس کی طرف بڑھ گیا۔

"ماسٹر آپ نے اخبار دیکھا ہے۔ دو خوفناک دھماکے ہوئے ہیں۔ کافی لوگ مرے اور زخمی ہوئے ہیں۔ کیا حکومت ان مجرموں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتی"..... جو انا نے عمران کے رانا ہاؤس میں پہنچتے ہی کہا۔

"حکومت تو اپنے انداز میں کارروائی کرتی رہتی ہے۔ لیکن اب حالات واقعی بہت خراب ہو چکے ہیں اور یہ یقیناً کسی ملک دشمن ایجنسی کا ہی کام ہے۔ اس لئے اب اس سلسلے میں ہمیں خود کچھ کرنا پڑے گا۔" عمران نے اہتائی سنجیدہ لہجے میں کہا اور جا کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔

"ماسٹر آپ مجھے بتائیں کہ اس سلسلے میں کیا کیا جاسکتا ہے۔ میں ان ذلیل لوگوں کی روحوں کو بھی باہر نکال لاؤں گا"..... جو انا نے کہا جو اس کے ساتھ ساتھ ڈرائنگ روم میں آگیا تھا۔

"جب تمہاری ضرورت پڑے گی تو تمہیں بھی اس کارروائی میں شریک کر لیا جائے گا۔ ابھی صدیقی ایک آدمی کو لے کر آئے گا۔ تم اسے اس آدمی سمیت یہیں لے آنا"..... عمران نے اسی طرح سنجیدہ لہجے میں کہا اور جو انا سر ہلاتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ عمران نے سامنے رکھے ہوئے فون کا رسیور اٹھایا اور منبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

"ایکسٹو"..... رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز سنائی دی۔

”بیٹھ جاؤ“..... عمران نے کہا اور ساتھ ہی اس نے صدیقی کو بھی اپنے کا اشارہ کیا۔ وہ آدمی سامنے والی کرسی پر بڑے مودبانہ انداز میں بیٹھ گیا۔

”تمہارا نام الفت خان ہے۔ تم پولیس سے ریٹائر ہو کر اب ہوٹل ایشیائی میں چوکیدار ہو اور تم نے ایک شخص سیف کو ایک ویٹر کو ایک ڈبہ دیتے ہوئے دیکھا۔ اس سیف کے بارے میں تم نے اپنے ہاتھوں سے ذکر کیا کہ اس سیف کا تعلق ہم دھماکے کرنے والے کسی شخص نیامت سے ہے۔ میں درست کہہ رہا ہوں ناں۔“ عمران نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”آپ واقعی درست کہہ رہے ہیں لیکن میں نے تو پولیس کو یہ بیان نہیں دیا پھر آپ کو کیسے علم ہو گیا“..... الفت خان نے انتہائی حیرت بڑے لہجے میں کہا اس کے چہرے پر بھی حیرت تھی۔

”تم ان باتوں کو چھوڑو اور جو کچھ میں نے پوچھا ہے وہ بتاؤ۔“ عمران نے کہا۔

”جی ہاں جناب۔ کچھ عرصہ پہلے جب دھماکے ہوئے تھے تو میں اس وقت پولیس میں تھا۔ ہمارے تھانے کی حدود میں ایک دھماکا ہوا تھا اس لئے ہمارا تھانہ اس سلسلے میں تفتیش کر رہا تھا۔ پھر ایس ایچ او صاحب کو کہیں سے خبری ہوئی کہ ایک آدمی نیامت اس دھماکے میں ملوث ہے۔ یہ نیامت غلہ منڈی میں کسی آڑھتی کا بنشی تھا۔ جب کہ یہ سیف وہاں پہلے دار کے طور پر کام کرتا تھا۔ دونوں اکٹھے ہی رہتے

”عمران بول رہا ہوں جناب۔ ان بموں کے بارے میں معلومات ملی ہیں“..... عمران نے پوچھا۔

”ہاں ابھی رپورٹ ملی ہے۔ جو ہم ہوٹل عالمیشان میں ناکارہ کیا گیا ہے اور جن دو بموں کے ٹکڑے دھماکوں والی جگہوں سے اکٹھے کئے گئے ہیں یہ تینوں بم ایک ہی ساخت اور ایک ہی طاقت کے ہیں۔ یہ تینوں بم ماہرین کے مطابق کافرستان میڈ ہیں“..... دوسری طرف سے بلیک زرو نے اسی مخصوص لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔ شکریہ“..... عمران نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد صدیقی ایک ادھیڑ عمر آدمی سمیت اندر داخل ہوا۔ اس ادھیڑ عمر آدمی کے چہرے پر خوف و ہراس موجود تھا۔

”یہ اپنے مکان پر تھا وہاں سے اسے لے آیا ہوں“..... صدیقی نے اندر آکر ساتھ موجود ادھیڑ عمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”گھبراؤ نہیں۔ تم ملزم نہیں ہو۔ صرف تم سے معلومات حاصل

کرنی ہیں۔ آج جو دو بم دھماکے ہوئے ہیں۔ اس بارے میں سپیشل پولیس تحقیقات کر رہی ہے اور تم جانتے ہو کہ ان دھماکوں میں کس قدر بے گناہ لوگ مرے اور زخمی ہوئے ہیں اس لئے اس بارے میں امداد و تعاون نیکی بھی ہے اور حب الوطنی بھی“..... عمران نے اس ادھیڑ عمر آدمی سے مخاطب ہو کر کہا۔

”جناب جو کچھ میں جانتا ہوں وہ ضرور بتاؤں گا“..... ادھیڑ عمر آدمی نے مودبانہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"تم نے اس گاڑی کا نمبر نوٹ کیا تھا"..... عمران نے پوچھا۔  
 "نہیں جتنا مجھے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی۔"  
 الفت خان نے جواب دیا۔

"اچھا اس نیامت کا حلیہ تو تمہیں یاد ہوگا"..... عمران نے پوچھا  
 "جی ہاں"..... الفت خان نے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی اس  
 نے تفصیل سے حلیہ بتانا شروع کر دیا۔

"لیکن اس حلیے کے تو ہزاروں لاکھوں افراد ہوں گے۔ الفت خان  
 کوئی خاص بات بتاؤ جس سے اسے پہچانا جاسکے"..... عمران نے کہا۔  
 "خاص بات۔ خاص بات تو مجھے معلوم نہیں ہے۔ اوہ۔ اوہ ایک  
 منٹ۔ ہاں ہاں مجھے یاد آگیا ہے۔ اس کے بائیں ہاتھ کے درمیانی انگلی  
 کے ساتھ ایک اور چھوٹی سی انگلی بھی جڑی ہوئی تھی۔ بس یہی خاص  
 بات مجھے یاد آئی ہے"..... الفت خان نے جواب دیا۔

"اوہ کے۔ اب تم جا سکتے ہو اور سنو ان باتوں کا کسی کو علم نہ  
 ہونے دینا ورنہ جو لوگ اتنے منظم انداز میں دھماکوں کی کارروائی کر  
 سکتے ہیں وہ تمہیں بھی آسانی سے رستے سے ہٹا دیں گے اور یہ بھی سن  
 لو کہ اس سیف کو بھی رات اس کے ہوٹل کے کمرے میں گولی مار کر  
 ہلاک کر دیا گیا ہے"..... عمران نے کہا تو الفت خان کے چہرے پر  
 یقیناً اتہائی خوف کے تاثرات ابھر آئے۔

"اوہ۔ اوہ۔ پھر تو یہ بات ان تک پہنچ گئی ہوگی کہ میں نے اسے  
 پہچان لیا تھا۔ اس لئے اسے مارا گیا ہوگا۔ پھر تو....." الفت خان نے

تھے۔ ایسے ایچ او نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا اور جب ان دونوں  
 تھرڈ ڈگری استعمال کی گئی تو ان دونوں نے ہی قبول کر لیا کہ وہ اس  
 دھماکے میں ملوث ہیں۔ لیکن پھر اس سے پہلے کہ ان سے مزید کوئی  
 تفتیش ہوتی۔ اچانک آئی جی پولیس صاحب کا فون آیا اور انہوں نے  
 ان دونوں کو اپنے دفتر میں طلب کر لیا۔ ایس۔ ایچ۔ او صاحب ان  
 دونوں کو لے کر وہاں جا رہے تھے کہ رستے میں ان کی گاڑی پر حملہ ہوا  
 ایس۔ ایچ۔ او صاحب اور ان کے ساتھ دو پولیس کے سپاہی ہلاک کر  
 دیئے گئے اور یہ دونوں مجرم غائب ہو گئے۔ اس سلسلے میں بڑے  
 انکوائریاں ہوئیں لیکن نہ ہی حملہ آوروں کے بارے میں علم ہو سکا اور  
 نہ یہ دونوں ہاتھ آئے۔ یہ انکوائری ختم ہو گئی۔ میں ریٹائر ہو گیا اور  
 میں نے ہوٹل عالیشان میں جو کیداری شروع کر دی۔ وہاں میں نے  
 پہلی بار اس آدمی کو دیکھا اس کی شکل بالکل اس سیف سے ملتی تھی۔  
 لیکن اس کے جسم پر انتہائی قیمتی لباس تھا اور وہ ایک گاڑی میں آیا تھا۔  
 ایک ویٹر اس سے ملا اور میں نے اس آدمی کو کار میں سے ایک ڈبہ  
 اٹھا کر اس ویٹر کو دیتے ہوئے دیکھا پھر یہ آدمی کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔  
 چونکہ وہ شخص جسے پولیس نے پکڑا تھا ایک غریب سا پلے وار تھا جب  
 کہ یہ امیر آدمی تھا اور اس کے پاس کار تھی۔ اس لئے میں نے اپنے  
 ساتھیوں کو بتایا کہ اس آدمی کی شکل بالکل سیف سے ملتی ہے۔ لیکن  
 ہو سکتا ہے کہ شکل ہی ملتی ہو۔ بس جتنا یہ ہے ساری بات۔ الفت  
 خان نے تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا۔

سرت بھرے لہجے میں کہا۔

”اے کسی ٹیکسی میں بٹھا آؤ..... عمران نے صدیقی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں چلا جاؤں گا جناب..... الفت خان نے کہا۔

”آؤ میں تمہیں باہر چھوڑاؤں“..... صدیقی نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر وہ الفت خان کو ساتھ لئے کمرے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آگیا۔

”یہ نیامت ہی اصل آدمی ہوگا عمران صاحب لیکن اب اسے کہاں تلاش کیا جائے“..... صدیقی نے واپس آکر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”اس کا ملنا اب محال ہے۔ کیونکہ وہ دوہما کے کرنے کے بعد یہ آدمی یہاں ہرگز نہ ٹھہرا ہوگا۔ ایسے لوگ فوراً انڈر گراؤنڈ ہو جاتے ہیں“..... عمران نے جواب دیا۔

”تو پھر اب کیا کیا جائے کہاں سے کام کا آغاز کیا جائے“۔ صدیقی نے کہا۔

”اگر یہ جانی مل جائے تو شاید اس سے کوئی ایسا کلیو حاصل ہو جائے جس پر کام کیا جاسکتا ہو ورنہ تو ہم اس وقت مکمل اندھیرے میں ہیں“..... عمران نے کہا لیکن اس سے پہلے کہ اس کا فقرہ ختم ہوتا۔ میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی اور عمران نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھالیا۔

”رانا ہاؤس“..... عمران نے کہا۔

کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری وجہ سے اسے نہیں مارا گیا۔ اسے اس لئے ہلاک کیا گیا ہے کہ اس کا مشن ناکام ہو گیا تھا“..... عمران نے اسے حوصلہ دلاتے ہوئے کہا۔

”اوہ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ میں تو غریب آدمی ہوں اور میرے بچے تو ابھی کالج میں پڑھ رہے ہیں“..... الفت خان نے کہا۔ وہ واقعی بے حد پریشان ہو گیا تھا۔

”یہ لویہ رقم رکھ لو یہ میری طرف سے تحفہ سمجھ لو اور اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلاؤ اور گھبراؤ نہیں۔ بس اپنی زبان بند رکھنا“..... عمران نے جیب سے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر الفت خان کے ہاتھ میں رکھتے ہوئے کہا۔

”مم۔ مم۔ مگر یہ تو بہت ہیں“..... الفت خان نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

”نہیں تم رزق حلال کمانے والے آدمی ہو اور وہ بھی پولیس سروس میں رہ کر ورنہ ریٹائر ہونے کے بعد تمہیں چوکیداری نہ کرنی پڑتی۔ ایسے آدمی کی خدمت ہم پر فرض ہے“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا تو الفت خان نے کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے نوٹوں کی گڈی جیب میں رکھی۔

”بے حد شکریہ جناب اس سے نبجانے میرے کتنے گھمبیر مسائل حل ہو جائیں گے۔ خدا آپ کو اس کی جزا دے گا“..... الفت خان نے



”ٹرانسمیٹر پر اطلاع کر دو۔ میں خود وہیں آ جاؤں گا۔ اس سے وہیں  
 ہر دو پوچھ گچھ کر لی جائے گی“..... عمران نے کہا۔  
 ”ٹھیک ہے باس“..... دوسری طرف سے کہا گیا اور عمران نے  
 سیور رکھ دیا۔

”ٹرانسگر نے اچھا کلیو تلاش کر لیا ہے۔ اگر یہ آدمی ہاتھ لگ جائے تو  
 اس سے کام آگے تو بڑھایا جاسکتا ہے“..... صدیقی نے کہا اور عمران  
 نے اثبات میں سر ہلادیا۔ پھر تقریباً پون گھنٹے بعد جوزف اندر داخل ہوا  
 اس کے ہاتھ میں ٹرانسمیٹر تھا۔

”آپ کی کال ہے باس“..... جوزف نے ٹرانسمیٹر عمران کی طرف  
 بڑھاتے ہوئے کہا اور عمران نے اثبات میں سر ہلادیا۔ ٹرانسمیٹر سے  
 نوں نوں کی مخصوص آوازیں نکل رہی تھیں۔ عمران نے بٹن دبا دیا۔  
 ”ہیلو عمران بول رہا ہوں اور“..... عمران نے کہا۔

”ٹرانسگر بول رہا ہوں باس میں نے معلوم کر لیا ہے استاد جامو بار  
 میں موجود ہے۔ اب آپ جیسے حکم دیں اور“..... دوسری طرف سے  
 ٹرانسگر نے کہا۔

”یہ بار کہاں ہے۔ اس کا تفصیل سے پتہ بتاؤ اور“..... عمران  
 نے کہا تو دوسری طرف سے ٹرانسگر نے تفصیل بتادی۔

”اوکے۔ میں آ رہا ہوں۔ تم ایسا کرو کہ احسن روڈ پر جہاں سے کچی  
 آبادی کو راستہ جاتا ہے وہاں ملو۔ اور اینڈ آ“..... عمران نے کہا اور  
 ٹرانسمیٹر آف کر کے اس نے جوزف کے ہاتھ میں دے دیا اور خود اٹھ

”باس میں ٹرانسگر بول رہا ہوں۔ میں نے فلیٹ فون کیا تھا وہاں  
 سے سلیمان نے بتایا ہے کہ آپ یہاں آئے ہوئے ہیں۔ سیف کو ہلاک  
 کرنے والے آدمی کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے وہ ایک پیشہ ور  
 قاتل جامو ہے۔ استاد جامو۔ وہ اسی کینٹ کے علاقے میں واقع ہوٹل  
 تھری سٹار میں اٹھتا بیٹھتا ہے۔ ویسے میں نے سیف کے کمرے کی تلاشی  
 لی ہے لیکن وہاں سے کوئی چیز دستیاب نہیں ہوئی“..... ٹرانسگر نے کہا۔  
 ”استاد جامو کو تلاش کیا ہے تم نے“..... عمران نے پوچھا۔

”اس کے دو چار اڈے تو مجھے معلوم ہیں۔ میں نے وہاں سے فون پر  
 تو معلومات کی ہیں وہاں وہ نہیں ہے۔ اب اس کا ایک خاص اڈہ چارلی  
 بار ہے۔ وہاں مجھے خود جانا پڑے گا“..... ٹرانسگر نے کہا۔

”چارلی بار وہ کہاں ہے“..... عمران نے چونک کر پوچھا۔

”احسن روڈ سے ایک کچی آبادی کو راستہ جاتا ہے۔ اس کچی آبادی  
 کے اندر یہ بار بنا ہوا ہے۔ خفیہ بار ہے۔ خاص خاص لوگ ہی اندر  
 جاتے ہیں۔ باہر بظاہر چائے کا ایک عام سا ہوٹل بنا ہوا ہے“۔ ٹرانسگر  
 نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”کیا تم اکیلے اسے اغوا کر سکتے ہو“..... عمران نے پوچھا۔

”وہ میرا واقف تو نہیں ہے۔ ویسے عام سا غنڈہ ہے۔ اگر آپ حکم  
 دیں تو زبردستی اسے مار پیٹ کر لے آ سکتا ہوں“..... ٹرانسگر نے  
 جواب دیا۔

”تم ایسا کرو کہ وہاں جا کر معلوم کرو اگر وہ وہاں موجود ہے تو پھر

کھرا ہوا۔

”اؤ صدیقی اور جوزف جوانا کو بھیجو۔ تم یہیں رہو گے۔“ عمران نے صدیقی کے ساتھ ساتھ جوزف سے مخاطب ہو کر کہا۔

”یس باس“..... جوزف نے کہا اور عمران صدیقی کو ساتھ لے کرے سے باہر آگیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تینوں کار میں بیٹھے رانا ہاؤس سے نکل کر احسن روڈ کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔ عمران نے اپنی سپورٹس کار اور صدیقی کی کار وہیں رانا ہاؤس میں ہی چھوڑ دی تھی اور وہ اس وقت جوانا کی سیاہ رنگ کی اتھائی طاقتور انجن والی کار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر جوانا تھا جب کہ سائیڈ سیٹ پر عمران بیٹھا ہوا تھا اور صدیقی عقبی سیٹ پر موجود تھا۔ کار خاصی تیز رفتاری سے آگے جانے والی کاروں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے بڑھی چلی جا رہی تھی۔

”یہ ناراک کی سڑکیں نہیں ہیں مسٹر جوانا۔ پاکیشیائی سڑکیں ہیں اس لئے اس پر اس قدر تیز رفتاری خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔“ عقبی سیٹ پر بیٹھے ہوئے صدیقی نے اچانک مسکراتے ہوئے جوانا سے مخاطب ہو کر کہا۔

”ناک ہو گی تو خطرہ پیش آسکتا ہے“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا تو صدیقی بے اختیار ہنس پڑا۔

”مسٹر صدیقی یہ تو میں اتھائی کم رفتار سے کار چلا رہا ہوں۔ آپ اس رفتار پر ہی گھبرا رہے ہیں“..... جوانا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں گھبرا نہیں رہا۔ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ یہاں کے ڈرائیور ہماری اس سپیڈ کے عادی نہیں ہیں۔ اس لئے کہیں کار کا شور سن کر گھبرا کر خود ہی آگے نہ آجائیں“..... صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اب میں کسی کو آگے آنے سے تو نہیں روک سکتا۔ جب آئے گا پھر دیکھیں گے“..... جوانا نے جواب دیا۔

”اور اگر ٹریفک پولیس پچاری آگے آگئی تو“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تو پھر اس کی ٹریفک کنٹرول کرنے کی مصیبت سے ہمیشہ کے لئے جان چھوٹ جائے گی“..... جوانا نے جواب دیا اور عمران ہنس پڑا۔

جوانا خاصی مہارت سے کار چلاتا ہوا بہر چال احسن روڈ پر پہنچ گیا۔ عمران نے اس روڈ کے آغاز میں ہی اسے وہ جگہ بتا دی تھی جہاں ٹائیگر نے موجود ہونا تھا اس لئے جوانا نے کار کی رفتاری خاصی کم کر دی تھی اور پھر تھوڑی دیر بعد انہیں سڑک کی سائیڈ پر ایک کار کے ساتھ کھڑا ٹائیگر نظر آگیا۔ جوانا نے اس کے قریب جا کر کار روک دی۔

”اپنی کار یہیں رہنے دو اور ہمارے ساتھ آجاؤ“..... عمران نے فرنٹ سیٹ سے اتر کر ٹائیگر سے کہا اور پھر صدیقی کے ساتھ عقبی سیٹ پر بیٹھ گیا تو ٹائیگر سر ہلاتا ہوا سائیڈ سیٹ پر عمران کی جگہ بیٹھ گیا اور پھر اس نے جوانا کو راستہ بتانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد جوانا کی کار اس کی آبادی کے دھول اڑاتے تنگ رستے پر آگے بڑھی چلی جا رہی تھی۔

بار ہے"..... ٹائیگر نے کہا۔

"آؤ..... عمران نے کہا اور چائے خانے میں داخل ہو گیا۔

"جناب فرمائیے جناب۔ کیا بات ہے جناب"..... چائے خانے

کے ادھیڑ عمر مالک نے اٹھ کر عمران اور اس کے ساتھیوں کی طرف

بہتے ہوئے کہا لیکن دوسرے لمحے وہ بری طرح جھجھکا ہوا اچھل کر ایک

گرفتار دیوار سے جا ٹکرایا۔

خاموش رہو۔ اب اگر تمہاری آواز نکلی تو گردن توڑ دوں گا۔"۔ جوانا

نے اسے بازو سے پکڑ کر دھکیلتے ہوئے کہا تھا اور یہ اس کا دیتا ہوا دھکا تھا

اس کی وجہ سے چائے خانے کا مالک اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔

پردہ ہٹا کر وہ اندر داخل ہوئے یہ ایک تنگ سارا ستہ تھا جو آگے جا کر

گھوم گیا تھا اور پھر ایک اور دروازہ نظر آنے لگا جس کے باہر ایک ٹھوس

جسم کا نوجوان کھڑا تھا۔ وہ عمران اور اس کے ساتھیوں کو آتا دیکھ کر

جونک پڑا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات تھے۔

"آپ کون ہیں۔ ادھر تو پردہ دار مکان ہے۔" اس نوجوان نے

گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہمیں استاد جامو سے ملنا ہے"..... عمران نے کہا اور دوسرے لمحے

اس نے بند دروازے پر لات ماری تو کیواڑ ایک دھماکے سے کھل گئے

اور عمران اپنے ساتھیوں سمیت اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک خاصا بڑا

ہال نمکمرہ تھا لیکن اس کی دیواریں بھی کچی تھیں اور فرش بھی۔ وہاں

ہوٹل کی طرح میزیں رکھی ہوئی تھیں جن کی سائیڈوں پر کرسیاں

"بس یہیں ایک طرف روک دو۔ اس سے آگے تمہاری یہ جہازی

سائز کی کار نہ جائے گی..... ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا اور جوانا

نے بھی مسکراتے ہوئے ایک سائیڈ پر کار روک دی اور وہ سب کار

سے نیچے اتر آئے۔

"اس استاد جامو کا حلیہ کیا ہے"..... عمران نے ٹائیگر سے پوچھا۔

"خاصا لمبے چوڑے جسم کا مالک ہے۔ سیاہ رنگ کی گھنی داڑھی اور

گھنی مونچھیں ہیں۔ دائیں گال پر زخم کا لمبا سا نشان ہے۔ سر پر سرخ

رنگ کی ٹوپی پہنتا ہے"..... ٹائیگر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"تم نے سن لیا جوانا اور اس آدمی سے ہم نے وہیں پوچھ گچھ کرنی

ہے اور یہ بار خفیہ ہے اس کا مطلب ہے کہ وہاں اس جیسے غنڈے اور

بد معاش ہی موجود ہوں گے"..... عمران نے جوانا سے مخاطب ہو کر

کہا۔

"ٹھیک ہے ماسٹر۔ جیسے آپ چاہیں گے ویسے ہی ہو گا"..... جوانا

نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ٹائیگر ان سے آگے آگے چل رہا تھا۔ وہ اس

وقت ایک کچی اور تنگ سی گلی سے گزر رہے تھے۔ ارد گرد کچے کچے اور

ٹہڑے میزے سے مکانات تھے۔ جن کے مکین انہیں بڑی حیرت بھری

نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن ان میں سے کسی نے ان سے بات

کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔ مختلف گلیوں سے گزرنے کے بعد وہ

ایک چائے کے ہوٹل کے سامنے پہنچ گئے۔

"یہ سلسلے جو پردہ لٹکا ہوا ہے۔ اس سے راستہ آگے جاتا ہے اور آگے

تھیں۔ ایک طرف باقاعدہ ایک کاؤنٹر بنا ہوا تھا جس کے پیچھے ایک پھیلے ہوئے جسم کا پہلوان نما آدمی کھڑا تھا۔ میزوں پر غنڈے اور بد معاش ٹائپ کے افراد موجود تھے۔ ہال مناکرہ گھٹیا شراب کی تیزبو اور منشیات کے گاڑھے اور مکروہ دھویں سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں موجود سب افراد یکٹھ چوٹک کر عمران اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ عمران کی نظریں استاد جامو کو تلاش کر رہی تھیں اور پھر وہ ایک کونے والی میز پر بیٹھا ہوا نظر آگیا۔ اس کے ساتھ دو اور آدمی تھے بظاہر خاصے تن و توش کا مالک لگ رہا تھا۔

”آپ کون ہیں اور یہاں کیوں آئے ہیں“..... کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر پہلوان نما آدمی نے تیزی سے عمران اور اس کے ساتھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”ہم استاد جامو سے ملنے آئے ہیں“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا اور استاد جامو اپنا نام سن کر بے اختیار چوٹک کر کھڑا ہو گیا۔ ”کیا بات ہے کون ہو تم میں تو تمہیں نہیں جانتا“..... استاد جامو نے ہاتھ سے کرسی ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا اس کے لہجے میں درشتی تھی۔

”جب تعارف ہو گا تو جان جاؤ گے“..... عمران نے کہا اور اس کی طرف بڑھنے لگا۔ استاد جامو کی وجہ سے وہ کاؤنٹر والا پہلوان بھی رک گیا تھا اور باقی لوگ بھی خاموش بیٹھ رہے تھے۔

”میرا نام علی عمران ہے استاد جامو اور یہ میرے ساتھی ہیں۔“

عمران نے قریب جا کر استاد جامو سے مخاطب ہو کر کہا۔  
”تو پھر“..... استاد جامو نے اسی طرح کرخٹ لہجے میں کہا لیکن دوسرے لمحے عمران کا بازو گھوما اور استاد جامو بری طرح چیختا ہوا اچھل کر سائیڈ میز کے گرد بیٹھے ہوئے افراد پر جاگرا۔

”اے سنبھالو جوانا“..... عمران نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے جیب سے ریو الور نکال لیا۔ اس کے ریو الور نکلتے ہی دوسرے ساتھیوں نے بھی ریو الور نکال لئے تھے۔ جب کہ جوانا کسی بھوکے عقاب کی طرح نیچے گر کر اٹھتے ہوئے استاد جامو پر جھپٹ پڑا اور دوسرے لمحے استاد جامو کے حلق سے ایک بار پھرا تہائی کر بناک چیخ نکلی اور وہ ہوا میں اڑتا ہوا ایک طرف موجود کاؤنٹر پر ایک زور دار دھماکے سے جاگرا۔

”خبردار اگر کسی نے حرکت کی تو گولیوں سے اڑا دیا جائے گا“..... عمران نے غراتے ہوئے کہا اور دوسرے لمحے پے درپے دو دھماکے ہوئے اور دو غنڈے نما آدمی چیختے ہوئے تڑپ کر نیچے گرے اور بری طرح تڑپنے لگے۔ ان کے ہاتھوں سے ریو الور نکل کر دور جا گرے تھے۔

”نکل جاؤ سب یہاں سے ورنہ“..... عمران نے چیختے ہوئے کہا اور ابھی اس کا فقرہ ختم ہی ہوا تھا کہ صدیقی نے فائر کیا اور پہلوان نما کاؤنٹر میں بری طرح چیختا ہوا ہاتھ پکڑ کر دوہرا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ سے ایک پستول نکل کر دور جاگرا تھا۔

”سنو استاد جامو تمہارے جسم کی ایک ایک ہڈی توڑی جاسکتی ہے تم نے نمونہ تو بہر حال دیکھ لیا ہے۔ لیکن ہمیں تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ تم اگر ہمیں یہ بتا دو کہ سیف کو قتل کرنے کے لئے تمہیں کس نے کہا تھا تو ہم تمہیں زندہ چھوڑ کر واپس چلے جائیں گے۔“ عمران نے غراتے ہوئے کہا۔

”مم۔ مم۔ ماسٹر نے۔ ماسٹر احسان نے۔ کلیاں والے بازار میں ہوٹل گرین کے مالک نے۔ اس نے مجھے اس کام کے لئے بیس ہزار روپے دیئے تھے۔“ استاد جامو نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”اس کا تعلق کس ملک سے ہے۔ کافرستان سے ہے یا کسی اور ملک سے۔“ عمران نے پوچھا۔

”مجھے نہیں معلوم۔ بس اس کا معلوم ہے کہ وہ اسلحے کا دھندہ کرتا ہے اس کا پورا گروہ ہے۔“ استاد جامو نے جواب دیا۔

”یہ بہر حال ایک انسان کا قاتل ہے۔ اس لئے فنش کر دو۔“ عمران نے کہا اور پھر اس سے پہلے کہ استاد جامو سمجھتا۔ جو انا کا ہاتھ حرکت میں آیا اور اس کی کھڑی ہتھیلی پوری قوت سے استاد جامو کی گردن پر پڑی تو استاد جامو جھجھتا ہوا نیچے گرا۔ اس کی گردن جو انا کی ایک ہی ضرب سے ٹوٹ گئی تھی۔ نیچے گر کر وہ چند لمحوں میں تپتا رہا پھر ساکت ہو گیا۔

”اس کی جیسوں کی تلاشی لو۔“ عمران نے کہا تو جو انا نے جھک کر اس کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ چند لمحوں بعد وہ درمیانے نوٹوں کی ایک گڈی لے کر سیدھا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک بڑا سا قاتو بھی

”اب اگر کسی نے کوئی حرکت کی تو گولی سینے پر پڑے گی۔ نکل جاؤ یہاں سے۔“ صدیقی نے چیختے ہوئے کہا اور دوسرے ہی لمحے وہاں موجود سب لوگ میزیں کرسیاں گراتے اس طرح باہر کو لپکے جیسے ان پر کوئی قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔ جب کہ جو انا نے استاد جامو کو گردن سے پکڑ کر فضا میں اٹھایا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس کا بازو گھوما اور استاد جامو کے منہ سے دانت اس طرح نکل کر باہر آگئے جیسے پھلجڑیاں چھوٹی ہیں اور استاد جامو کا جسم ڈھیلا پڑ گیا اور سر ایک طرف کو ڈھلک گیا۔ جو انا نے اسے نیچے زمین پر پٹخ دیا تھا۔ چند لمحوں بعد ہی وہ ہال مناکرہ خالی ہو چکا تھا۔ حتیٰ کہ وہ کاؤنٹر پر کھڑا آدمی بھی غائب ہو گیا تھا۔ جب کہ وہ دونوں بھی جن پر عمران نے گولیاں چلائیں تھیں دوڑتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ کیونکہ گولیاں ان کے ہاتھوں پر ہی پڑی تھیں۔

”اب باہر جا کر خیال رکھو تاکہ اس استاد جامو سے اطمینان سے پوچھ گچھ ہو سکے۔“ عمران نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور سوائے جو انا کے صدیقی اور ٹائیگر دونوں تیزی سے باہر کو لپک گئے۔

”اسے ہوش میں لے آؤ اور کرسی پر بٹھا دو۔“ عمران نے جو انا سے کہا اور جو انا نے جھک کر ایک بار پھر استاد جامو کو گردن سے پکڑ کر فضا میں اٹھایا اور اس کے زخمی گال پر تھپڑ مارنے شروع کر دیئے۔ دوسرے ہی تھپڑ پر استاد جامو جھجھتا ہوا ہوش میں آیا تو جو انا اسے ایک کرسی پر پٹخ دیا۔

تھا۔

"یہ نوٹ ہیں اس کی جیب میں یا یہ چاقو ہے"..... جو انانے کہا۔  
"چاقو پھینک دو اور نوٹ رکھ لو۔ یہ کسی غریب کے کام آئیں گے"..... عمران نے کہا اور واپس دروازے کی طرف مڑ گیا۔ باہر دروازے پر موجود نوجوان بھی موجود نہ تھا اور نہ ہی چائے خانے میں کوئی آدمی تھا وہ سب بھاگ گئے تھے۔ البتہ گلی کے دوسرے سرے پر چند افراد کھڑے نظر آ رہے تھے۔ لیکن وہ عام سے غریب لوگ ہی نظر آ رہے تھے۔

"کلیاں والا بازار جلتے ہو کہاں ہے"..... عمران نے باہر نکل کر ٹائیکر سے پوچھا۔

"جی ہاں صاحب روڈ کے دائیں ہاتھ پر جو بازار نکلتا ہے اسے کلیاں والا بازار کہا جاتا ہے"..... ٹائیکر نے جواب دیا۔

"اوکے۔ پھر وہیں چلو اس بازار میں کوئی ہوٹل گرین ہے اس کے مالک سراج نے اسے سیف کے قتل کی مپ دی تھی"..... عمران نے کہا اور ٹائیکر نے اثبات میں سر ملادیا۔ وہ دوبارہ گلیوں میں سے گزرتے ہوئے واپس اسی جگہ کی طرف بڑھتے چلے گئے جہاں ان کی کار موجود تھی جو لوگ اس خفیہ بار میں موجود تھے نہ وہ دوبارہ دکھائی دیئے تھے اور نہ اس کا مالک اور نہ ہی کسی اور آدمی نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی اس لئے وہ خاموشی سے چلتے ہوئے کار تک پہنچے اور چند لمحوں بعد جو انانے کار کو موڑا اور ایک باز پھر وہ کچے رستے پر دھول اڑاتے مین روڈ کی

طرف بڑھ گئے۔ مین روڈ پر جہاں ٹائیکر کی کار موجود تھی جو انانے کار روک دی۔

"ٹائیکر تم کار لے کر آگے چلو جو انانہ ہمارے رہنمائی میں چلے گا۔" عمران نے ٹائیکر سے کہا اور ٹائیکر سر ملاتا ہوا کار سے نیچے اتر اور اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحوں بعد دونوں کاریں آگے پیچھے چلتی ہوئیں کلیاں والے بازار کی طرف بڑھتی چلی گئیں۔ ہوٹل گرین درمیانے درجے کا ہوٹل تھا۔ عمارت تو پرانی تھی لیکن اس کا فرنیچر اور ساز و سامان خاصا نیا اور جدید انداز کا تھا۔ عمران اپنے ساتھیوں سمیت ہال میں داخل ہوا تو وہاں ہال میں موجود افراد کی کثرت کاروباری لوگوں کی تھی۔ ایک طرف کاؤنٹر بنا ہوا تھا۔ جس پر ایک نوجوان پتلون قمیض پہنے کھڑا ہوا تھا۔

"ماسٹر احسان سے ملنا ہے"..... عمران نے کاؤنٹر پر کھڑے ہوئے نوجوان سے کہا۔

"سوری جناب۔ وہ تو شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ ان کی واپسی دو تین ہفتوں بعد ہوگی"..... نوجوان نے بڑے بااخلاق لہجے میں جواب دیا۔

"ہم نے بڑا سو دا کرنا تھا۔ لیکن اب مجبوری ہے۔ چلو کوئی اور پارٹی دیکھ لیتے ہیں"..... عمران نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور واپس مڑنے لگا۔  
"آپ۔ آپ۔ ایک منٹ"..... نوجوان نے کہا تو عمران مڑ گیا۔  
"آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں"..... نوجوان نے غور سے

پھر اس نے عمران اور اس کے ساتھیوں کی آمد اور اس سے ہونے والی بات چیت دوہرا دی۔

"آپ کو ماسٹر کی ٹپ کس نے دی ہے جناب"..... نوجوان نے دوسری طرف سے بات سن کر عمران سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"استاد جامو نے"..... عمران نے جواب دیا۔

"استاد جامو کا نام لے رہے ہیں جناب"..... نوجوان نے فون کے مائیک میں بولتے ہوئے کہا۔

"بہتر سر"..... دوسری طرف سے بات سننے کے بعد اس نے رسیور رکھ دیا۔

"آپ اس سڑک پر آگے چلے جائیں۔ تقریباً سو گز کے فاصلے پر ایک دکان ہے۔ احسان کارپوریشن باس وہاں موجود ہیں۔" نوجوان نے رسیور رکھ کر عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔

"تھینک یو"..... عمران نے کہا اور واپس مڑ گیا۔ چند لمحوں بعد وہ ہوٹل سے باہر نکل کر آگے بڑھ گئے اور پھر احسان کارپوریشن پر پہنچنے میں انہیں دیر نہ لگی۔ وہاں الیکٹرونکس کا سامان فروخت کیا جا رہا تھا۔

کاؤنٹر پر ایک نوجوان موجود تھا۔

"ماسٹر احسان سے ملنا ہے۔ ابھی ہوٹل سے کاؤنٹر بوائے نے ان سے بات کی ہے"..... عمران نے کہا۔

"آئیے میرے ساتھ"..... نوجوان نے کہا اور دکان سے باہر نکل کر وہ سائیڈ کی ایک پتلی گلی میں داخل ہو گیا۔ کچھ دور جانے کے بعد اس

عمران اور اس کے ساتھیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ساڈاں سے۔ ہمارے پاس ماسٹر کے کام کا ایک بڑا آرڈر ہے۔ ہمیں ٹپ ملی تھی کہ ماسٹر اس بارے میں زیادہ بہتر ثابت ہو سکتا ہے اس لئے ہم یہاں آئے ہیں لیکن تم کہہ رہے ہو کہ وہ شہر سے باہر ہیں جب کہ ہمارا مسئلہ فوری نوعیت کا ہے کیونکہ جو پارٹی یہ مال حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اسے بے حد جلدی ہے۔ معاملات کیش ہو سکتے ہیں اور سودا کروڑوں کی مالیت کا ہے"..... عمران نے بڑے سادہ سے لہجے میں کہا۔

"آپ ادھر دائیں طرف کمرے میں تشریف رکھیں میں معلوم کرتا ہوں کہ ماسٹر باہر گئے ہیں یا نہیں"..... نوجوان نے کہا۔

"ہمارے پاس یہ بیٹھنے بٹھانے کا وقت بھی نہیں ہے ماسٹر۔ جو کچھ ضرور کرنا ہے فوراً کر لو"..... عمران نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا

تو نوجوان نے کاؤنٹر کے نیچے سے ایک انٹرکام اٹھا کر اوپر میز پر رکھا اور اس کا رسیور اٹھا کر اس کا نمبر پریس کر دیا۔

"کاؤنٹر سے بول رہا ہوں اسلم۔ ماسٹر کہاں ہوں گے۔" نوجوان نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں بات کرتا ہوں"..... نوجوان نے اسی طرح سنجیدہ لہجے میں کہا اور رسیور رکھ کر اس نے پاس پڑے ہوئے فون کا رسیور اٹھا لیا اور نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

"اسلم بول رہا ہوں ماسٹر"..... اسلم نے بات کرتے ہوئے کہا اور

”مجھے ماسٹر احسان کہتے ہیں۔ آئیے بیٹھیے“..... اس آدمی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ٹائیگر باہر کھڑے ہوئے صاحب کو سیٹ کر آؤ“..... عمران نے مرکز ٹائیگر سے کہا اور ٹائیگر سر ملاتا ہوا تیزی سے واپس مڑ گیا۔

”کیا۔ کیا مطلب۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں“..... ماسٹر احسان نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”ابھی مطلب بھی بتاتا ہوں ماسٹر احسان“..... عمران نے کہا اور دوسرے لمحے اس کا بازو ٹیگت گھوما اور ماسٹر احسان چیخ مار کر اچھلا اور

دھماکے سے ایک سائیڈ پر پڑے ہوئے صوفے پر جا گرا۔ عمران کی مڑی ہوئی انگلی کا ہک اس کی کنپٹی پر پڑا تھا۔ پھر صوفے سے پلٹ کر نیچے گرا اور ساکت ہو گیا۔

”اس کے ہاتھ پشت پر باندھ کر اسے صوفے پر بٹھاؤ اور ہوش میں لے آؤ اس سے ذرا تفصیل سے بات کرنی پڑے گی“..... عمران نے

صدیقی سے کہا تو صدیقی نے اپنی بیلٹ کھولی اور پھر فرش پر پڑے ہوئے ماسٹر احسان کی طرف بڑھ گیا۔ اسی لمحے ٹائیگر بھی اندر داخل

ہوا۔

”میں نے اسے بے ہوش کر دیا ہے“..... ٹائیگر نے کہا تو عمران نے اثبات میں سر ملادیا۔ صدیقی نے ماسٹر احسان کے دونوں ہاتھ اس کے عقب میں کر کے بیلٹ سے باندھے اور پھر اسے اٹھا کر صوفے پر

ڈالا اور اس کا ناک اور منہ دونوں ہاتھوں سے بند کر دیا۔ عمران اس

نے ایک دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔

”کون ہے“..... اندر سے آواز سنائی دی۔

”ہوٹل بے مہمان آئے ہیں۔ پہلے فون پر بات ہو چکی ہے۔“ نوجوان نے کہا تو دروازہ کھل گیا۔

”جالیئے جناب۔ ماسٹر اندر موجود ہیں“..... نوجوان نے کہا اور عمران سر ملاتا ہوا اندر داخل ہوا اس کے پیچھے اس کے ساتھی بھی اندر

داخل ہو گئے۔ دروازے کی سائیڈ میں ایک مسلح نوجوان کھڑا تھا اور ایک پتلی سی گلی آگے جا رہی تھی جس کے اختتام پر ایک اور دروازہ تھا۔

”دروازہ کھلا ہوا ہے۔ سیدھے چلے جالیئے“..... مسلح نوجوان نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے دروازہ بند کر دیا۔ عمران اپنے

ساتھیوں کے ساتھ خاموشی سے چلتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ گلی کے اختتام پر موجود بند دروازہ کھول کر وہ آگے بڑھا تو وہ ایک خاصے بڑے

کمرے میں تھا جس میں صوفے موجود تھے اور ایک صوفے پر ایک دبلا پتلا لومڑی کی شکل کا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تیز چمک

تھی لیکن اس کے جسم پر عام سالباس تھا۔ اس کے بال کھنگھریالے تھے وہ اوجیر عمر آدمی تھا اور پھرے مہرے سے عیار قسم کا کاروباری آدمی

دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے سامنے میز پر شراب کی ایک بوتل اور ایک جام کے ساتھ ایک فون بھی رکھا ہوا تھا۔

”میرا نام علی عمران ہے اور یہ میرے ساتھی ہیں“..... عمران نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا تو وہ آدمی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔





نے ہم دھماکے کئے تھے۔ پھر وہ پکڑا گیا تو اس کے پراسرار لباس نے اسے چھو دیا۔ اس کے بعد وہ کسی محفوظ علاقے میں چلا گیا۔ اب اس کی واپسی ہوئی ہے..... ماسٹر احسان نے جواب دیا۔

”سیف کو اس نے کیوں ہلاک کرایا ہے..... عمران نے پوچھا۔

”ہوٹل عالیشان میں دھماکہ اس کے ذمے تھا لیکن وہ ناکام ہو گیا تھا..... ماسٹر احسان نے جواب دیا۔

”نیامت اب کہاں ہے..... عمران نے پوچھا۔

”وہ دھماکوں کے بعد واپس اپنی پناہ گاہ پر چلا گیا ہے جس کا علم صرف اسی کو ہے اب وہ نجانے کب واپس آئے..... ماسٹر احسان نے جواب دیا۔

”تم نے اس کے پراسرار لباس کا ذکر کیا ہے..... عمران نے ہونٹ چباتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں یہ دھماکے اس کا لباس کرتا ہے۔ لیکن وہ کبھی سامنے نہیں آیا۔ صرف اس کی کال آتی ہے اور بس۔ نیامت نے مجھے خود بتایا تھا کہ اس نے بے حد کوشش کی لیکن اسے معلوم نہیں ہو سکا..... ماسٹر احسان نے جواب دیا اور عمران نے سامنے پڑے ہوئے فون کا رسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیے۔

”سرٹنڈنٹ آف سنٹرل انٹیلی جنس فیاض بول رہا ہوں۔“ رابطہ قائم ہوتے ہی فیاض کی بڑی بارعب سی آواز سنائی دی۔

”عمران بول رہا ہوں فیاض.....“ عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

احسان نے کہا۔

”نیامت نے کل رات دارالحکومت میں جو دو ہم دھماکے کرائے ہیں کیا وہ ہم تم نے اسے سپلائی کئے تھے.....“ عمران نے کہا تو ماسٹر احسان بے اختیار اچھل پڑا۔ اس کی اکلوتی سرخ آنکھ میں اور پھرے پر انتہائی حیرت کے تاثرات ابھرائے۔

”تم۔ تمہیں۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا ہے۔ یہ۔ یہ تو.....“ ماسٹر احسان نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”اس کے دونوں بازو توڑ دو.....“ عمران کا لہجہ پھر سرد ہو گیا تھا۔

”نہیں نہیں۔ رک جاؤ۔ میں بتاتا ہوں رک جاؤ۔ مم۔ مم نے اسے یہ ہم سپلائی نہیں کئے تھے۔ میں بموں کا کام نہیں کرتا۔ یہ ہم اسے راگوں نے سپلائی کئے تھے.....“ ماسٹر احسان نے چیختے ہوئے کہا۔

”راگو کون ہے.....“ عمران نے پوچھا۔

”اسلحے کا کافرستانی سمگلر ہے.....“ ماسٹر احسان نے کہا۔

”کہاں ہوتا ہے یہ.....“ عمران نے پوچھا۔

”وہ پاکیشیا میڈیکل کارپوریشن کا اینجنگ ڈائریکٹر ہے۔ اس کارپوریشن کے دفاتر حسن بلڈنگ حسن روڈ پر ہیں.....“ ماسٹر احسان نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ ہم اس نے سپلائی کئے تھے۔“ عمران نے پوچھا۔

”مجھے نیامت نے بتایا تھا وہ میرا دوست ہے۔ گزشتہ بار بھی اس

سنو ماسٹر احسان - میں نے واقعی تم پر احسان کیا ہے تمہیں  
ہانوں کے حوالے کر رہا ہوں ورنہ تم جیسے آدمیوں کی کم سے کم سزا تو  
یہی ہے کہ تمہارے جسم کا ایک ایک ریشہ علیحدہ کر دیا جائے۔  
عمران نے ماسٹر احسان سے کہا اور واپس دروازے کی طرف مڑ گیا۔ پھر  
تقریباً نصف گھنٹے بعد فیاض جو انا اور اپنے دو مسلح سپاہیوں سمیت اندر  
داخل ہوا۔

کہاں ہے وہ آدمی اوہ یہ ہے..... فیاض نے سلمے صوفے پر  
بندھے بیٹھے ماسٹر احسان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
"ہاں اور سنو میں اس لئے اسے تمہارے حوالے کر رہا ہوں کہ تم  
نے اس سے سہولت شدہ اسلحے کی کھپ بھی برآمد کرنی ہے اور اس کے  
روپ کے افزاؤ کی گرفتاریاں بھی کرنی ہیں....." عمران نے کہا۔  
"ایسا ہی ہوگا۔ اب تو میں اس کی روح سے بھی سب کچھ اگوا لوں  
گا....." فیاض نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"اس کا اطمینان بتا رہا ہے کہ اسے یقین ہے کہ اس کے سرپرست  
اسے چھوڑا لیں گے۔ لیکن اگر تم نے اسے چھوڑا تو پھر اس کی بجائے تم  
اندھیری قبر میں اتر جاؤ گے....." عمران نے ہونٹ چباتے ہوئے سرد  
لہجے میں کہا۔

"اس کی فکر مت کرو عمران میں ایسے آدمیوں کو چھوڑنے سے زیادہ  
مہتر یہ سمجھتا ہوں کہ اسے چھوڑنے کا کہنے والے کے سینے میں گولی اتار  
دوں۔ یہ لوگ ملک دشمن ہیں اور ملک دشمنوں کے لئے میرے دل

"اوہ تم کیسے فون کیا....." فیاض نے چونک کر اس بار سیدھے  
سادھے لہجے میں کہا۔

"رات کو جو ہم دھماکے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں انٹیلی جنس  
بھی کچھ کر رہی ہے....." عمران نے پوچھا۔

"اوہ ہاں کیوں....." فیاض نے چونکے ہوئے لہجے میں کہا۔  
"لیکن تم تو دفتر میں بیٹھے ہوئے ہو۔ کیا وہاں بیٹھے زائچہ نکال رہے  
ہو....." عمران کے لہجے میں طنز تھا۔

"میں سپرنٹنڈنٹ ہوں کچھ انسپکٹریا سب انسپکٹر نہیں ہوں۔  
انسپکٹر کام کر رہے ہیں۔ میں نے تو صرف سپروائزر کرنا ہوتا ہے لیکن تم  
نے یہ سب باتیں کیوں کی ہیں....." فیاض نے کہا۔

"اگر تم ایک ایسے آدمی کو گرفتار کرنا چاہتے ہو۔ جو اسلحے کا سمگلر  
بھی ہے اور ان بم دھماکوں کے بارے میں بھی کافی کچھ جانتا ہے تو  
بات کرو....." عمران نے کہا۔

"اوہ۔ اوہ کہاں ہے وہ کون ہے وہ۔ جلدی بتاؤ....." فیاض نے  
انتہائی بے چین سے لہجے میں کہا تو عمران نے اسے یہاں کا محل وقوع  
تفصیل سے بتانا شروع کر دیا۔

"میں ابھی آ رہا ہوں....." فیاض نے انتہائی بے چین سے لہجے میں  
کہا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا۔

"جو انا باہر جاؤ اور فیاض کو یہاں لے آؤ....." عمران نے جو انا  
سے کہا اور جو انا سہلانا ہوا باہر کی طرف مڑ گیا۔

جیپ پر سوار کرایا اور جیپ تیزی سے آگے بڑھا کر احسان کارپوریشن کی طرف لے گیا۔ جب کہ عمران اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس ہوٹل گرین کی طرف بڑھ گیا جہاں جوانا کی کار موجود تھی۔

”اب کہاں جانا ہے ماسٹر“..... جوانا نے کار سٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

”حسن روڈ پر واقع حسن بلڈنگ وہاں اس راگو سے ملاقات کرنی ہے“..... عمران نے کہا اور جوانا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔

میں کوئی نرم گوشہ نہیں ہے“..... فیاض نے بڑے ٹھوس لہجے میں کہا تو عمران نے اثبات میں سر ہلادیا۔

”صدیقی تم اپنی بیلٹ کھول لو تاکہ اسے ہتھکڑی لگائی جاسکے۔“ عمران نے کہا اور صدیقی نے آگے بڑھ کر پہلے بازو سے پکڑ کر ماسٹر احسان کو کھڑا کیا اور پھر اس کے ہاتھوں پر بندھی ہوئی اپنی بیلٹ اتار لی تو ایک سپاہی نے ماسٹر احسان کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔

”اس کے بارے میں کچھ تفصیل تو بتا دو تاکہ ابتدائی کارروائی کا جاسکے“..... فیاض نے عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔

”یہاں سے قریب ہی احسان کارپوریشن ہے۔ یہ بھی اسی کی ہے اور یہاں سے کچھ فاصلے پر ہوٹل گرین ہے۔ یہ اس کا بھی مالک ہے۔ اسلحے کا سمگلر بھی ہے اور اس نے ایک آدمی استاد جامو کو بیس ہزار روپے دے کر کینٹ تھانے کے علاقے میں ہوٹل بہار کے ایک کمرے میں رہنے والے سیف نامی آدمی کو ہلاک کرایا ہے اور سیف کو اس لئے ہلاک کیا گیا ہے کہ گزشتہ رات ہوٹل عالیشان میں بم دھماکہ کرنے کی ذمہ داری اسے سونپی گئی تھی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا تھا۔“ عمران نے کہا۔

”اوہ اوہ ٹھیک ہے بس تمہارے ڈیڈی کو ابتدائی طور پر مطمئن کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے“..... فیاض نے خوش ہوتے ہوئے کہا اور پھر وہ سب اس مکان سے اور پھر اس گلی سے نکل آئے۔ گلی کے سلسلے فیاض کی سرکاری جیپ موجود تھی۔ اس نے ماسٹر احسان کو

اور اس کا بٹن دبا دیا۔

”یہ سلومی بول رہی ہوں“..... لڑکی نے اٹھلاتے ہوئے لہجے کہا۔  
 ”کالو بول رہا ہوں۔ باس سے بات کراؤ“..... دوسری طرف سے  
 ایک کرخت سی آواز سنائی دی اور اس آدمی نے ہاتھ بڑھا کر اس لڑکی  
 سلومی کے ہاتھ سے فون پیس لے لیا۔  
 ”یہ“..... اس آدمی نے فون پیس لے کر اتہائی باوقار لہجے میں  
 کہا۔

”کالو بول رہا ہوں باس“..... دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ  
 اس بار خاصا نرم تھا۔

”کیا بات ہے“..... باس کا لہجہ کرخت ہو گیا۔

”باس ایک اہم خبر ہے۔ ماسٹر احسان اور اس کا پورا گروپ انٹیلی  
 جنس کی تحویل میں ہے۔ اس کے اسلحے کے تمام گودام بھی پکڑے جا  
 چکے ہیں“..... دوسری طرف سے کہا گیا تو باس یکفخت چونک کر سیدھا  
 ہو گیا۔

”کیا کہہ رہے ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے“..... باس نے حیرت بھرے  
 لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے لڑکی کو آنکھ کے اشارے سے  
 جانے کا کہہ دیا۔ لڑکی خاموشی سے اٹھی اور بوتل میز پر رکھ کر تیز قدم  
 اٹھاتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

”ہاں اب بولو یہ سب کیسے ہوا۔ تفصیل سے بتاؤ“..... باس نے  
 تیز لہجے میں کہا۔

لہجے قد اور چوڑے جسم کا ادھیر عمر آدمی جس کے جسم پر سیاہ رنگ کا  
 سوٹ تھا۔ آرام کرسی پر نیم دراز ہاتھ میں شراب کا پیگ پکڑے بیٹھا  
 ہوا تھا۔ اس کی کرسی کے بازو پر ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی  
 بڑے انداز سے بیٹھی ہوئی تھی اور شراب کی بوتل اس کے ہاتھ میں  
 تھی۔

”بڑے عرصے بعد واپس آئے ہو ڈیر“..... لڑکی نے بڑے لاڈ  
 بھرے لہجے میں کہا۔

”ہاں یورپ اور اکیرمیا میں بزنس ہی اتنا پھیلا ہوا ہے کہ وقت  
 گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا“..... اس آدمی نے بڑے فاخرانہ لہجے  
 میں کہا اور پھر اس سے پہلے کہ ان دونوں کے درمیان مزید کوئی بات  
 ہوتی۔ اچانک سامنے میز پر پڑے ہوئے کارڈ لیس فون کی مخصوص  
 گھنٹی بج اٹھی اور اس آدمی کے اشارے پر اس لڑکی نے فون پیس اٹھایا

"باس جہاں تک میں نے معلومات حاصل کی ہیں۔ ہوٹل گمہ میں چار افراد آئے۔ انہوں نے کاؤنٹر پر موجود نوجوان کے سامنے اپنے آپ کو اسلحہ خریدنے والی بہت بڑی پارٹی ظاہر کیا اور ماسٹر احسان سے فوری ملاقات چاہی۔ انہوں نے استاد جامو کی ٹپ دی۔ اس آدمی نے ماسٹر احسان سے بات کی تو ماسٹر احسان نے انہیں اپنے دفتر پہنچنے کا کہہ دیا۔ یہ لوگ اس کے دفتر پہنچے۔ پھر اچانک وہاں سنٹرل انٹیلی جنس کا سپرنٹنڈنٹ فیاض مسلم آدمیوں کے ساتھ پہنچ گیا اور اس کے بعد ماسٹر احسان کو ہتھکڑی لگا کر باہر لے آیا گیا۔ پھر اس کے گروپ کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں اور ایک ہی رات میں ساری کارروائی مکمل کر لی گئی۔ اس کے اسلحے کے گودام بھی قبضہ میں لے لئے گئے اور اس کے تمام آدمیوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ اطلاع بھی آپ کے لئے یقیناً اہم ہوگی کہ استاد جامو کو کچی آبادی والے خفیہ بار میں ہلاک کر دیا گیا ہے۔ وہاں بھی چار افراد ہی پہنچے تھے۔" کالو نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ یہ چار افراد انٹیلی جنس کے تھے اور وہ یقیناً اس سیف کے قتل کے سلسلے میں تفتیش کرتے ہوئے ماسٹر احسان تک پہنچے ہوں گے۔"..... باس نے کہا۔

"میں نے ان کے بارے میں جو معلومات حاصل کی ہیں باس۔ اس سے ایک نئی بات سامنے آئی ہے۔ ان میں سے ایک آدمی کا نام ٹائیگر ہے اور وہ دارالحکومت کا معروف بد معاش ہے۔ انتہائی اعلیٰ

بلوں میں کام کرتا ہے اور اس کا بڑا رعب و دبدبہ ہے جب کہ باقی افراد کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ ان میں سے ایک کا نام ٹائیگر کا دوست ہے۔"..... کالو نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اوہ پھر تو یہ کوئی کاروباری رقابت ہوئی۔ اس ٹائیگر اور ماسٹر احسان کے درمیان اور چونکہ وہ عمران سنٹرل انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل کا لڑکا ہے۔ اس لئے اس ٹائیگر نے اپنے اس دوست سے کہہ کر ماسٹر احسان کو انٹیلی جنس کے سپرد کرا دیا ہوگا۔"..... باس نے ذرے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

"بظاہر تو ایسا ہی لگتا ہے باس۔"..... دوسری طرف سے کہا گیا۔

"ماسٹر احسان کے سرپرست جبار نے اسے ابھی تک چھڑوایا نہیں ہے۔"..... باس نے کہا۔

"یہی تو حیرت انگیز بات ہے باس کہ جبار کو بھی انٹیلی جنس نے گرفتار کر لیا ہے۔"..... دوسری طرف سے کالو نے کہا تو باس ایک بار پھر چونک پڑا۔

"جبار کو وہ کیسے وہ تو انتہائی اونچا آدمی ہے۔"..... باس کے لہجے میں ایسی حیرت تھی جیسے اسے کالو کی بات پر سرے سے یقین ہی نہ آیا ہو۔

"یہی تو حیرت کی بات ہے باس جبار بھی اس وقت انٹیلی جنس کی تحویل میں ہے۔ اسکے سارے سفارشیوں نے زور لگایا ہے لیکن وہ نہ

نے تیز لہجے میں کہا۔

"میں باس یہی میں آپ کو بتانا چاہتا تھا کہ اگر راگو قابو میں آگیا تو پھر آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ کیا ہو گا۔..... دوسری طرف سے کہا گیا۔  
"ٹھیک ہے۔ راگو کا تو میں بندوبست کر ادوں گا۔ وہ ان کے قابو میں نہیں آئے گا۔ لیکن ان لوگوں کے خلاف ہمیں بھی براہ راست کوئی اقدام کرنا چاہیے۔..... باس نے کہا۔

"جو آپ حکم کریں۔..... دوسری طرف سے کہا گیا۔

"کیا تم اس ٹائیگر کو اغوا کر سکتے ہو۔..... باس نے کہا۔

"اغوا یا قتل باس۔..... کالو نے پوچھا۔

"اغوا۔ اس لئے کہ میں اس سے اس سارے گروپ کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔..... باس نے کہا۔

"میں باس کو شش تو کی جاسکتی ہے۔..... دوسری طرف سے کالو نے جواب دیا۔

"اپنی پوری تنظیم کو اس کام پر لگا دو اور مجھے فوری اطلاع کرو۔..... باس نے کہا۔

"اسے اغوا کر کے کہاں پہنچانا ہو گا۔..... دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"بلیک ہاؤس۔ وہاں سے اس کی روح بھی نہ نکل سکے گی۔ باس نے کہا۔

"میں باس میں ابھی کام شروع کر دیتا ہوں۔..... دوسری طرف

جبار کو چھوڑا سکے ہیں اور نہ ماسٹر احسان کو۔..... کالو نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ہو نہ ہو اس کا مطلب ہے کہ آخر کار ماسٹر احسان کا ستارہ گردش میں آ ہی گیا۔ بہر حال آخر ایک روز ایسا تو ہونا ہی تھا۔..... باس نے کہا۔

"لیکن باس اصل بات یہ ہے کہ اب ہمیں بھی اس سلسلے میں خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔..... کالو نے کہا۔

"ہمیں خطرہ وہ کیسے۔ ہمارا ماسٹر احسان سے براہ راست کیا تعلق ہو سکتا ہے۔..... باس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"آپ کو جس نے پٹانے مہیا کئے تھے۔ وہاں بھی یہ لوگ پہنچے ہیں۔..... دوسری طرف سے کہا گیا تو باس بے اختیار اچھل پڑا۔

"کیا۔ کیا کہہ رہے ہو۔..... باس نے چیختے ہوئے کہا۔

"میں باس یہ چاروں حسن بلڈنگ پہنچے اور انہوں نے راگو کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اب یہ راگو کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ملک سے باہر تھا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اب انشیل جنس اس کی رہائش گاہ کی نگرانی کر رہی ہو گی اور جیسے ہی وہ واپس آیا اسے گھیرے جائے گا۔ کالو نے جواب دیا۔

"اوہ اگر یہ بات ہے تو پھر یہ بد معاشوں کی آپس کی لڑائی نہیں ہے۔ راگو نے تو ہمیں پٹانے مہیا کئے تھے اور ماسٹر احسان کو بھی اس کا علم تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ لوگ ہماری تلاش میں ہیں۔..... باس

”مجبوری تھی باس۔ راگو تک انٹیلی جنس پہنچ چکی ہے لیکن راگو کافرستان گیا ہوا ہے۔ اس لئے اب وہ لوگ اس کی نگرانی کر رہے ہیں جیسے ہی راگو آئے گا اسے چھاپ لیا جائے گا اور اس کے بعد آپ جانتے ہیں کہ کیا ہوگا۔ میں نے کال اس لئے کی ہے کہ آپ راگو کو نہ صرف واپس آنے سے منع کر دیں بلکہ اسے وہاں بھی خفیہ رکھیں۔ کیونکہ انٹیلی جنس کو اگر معلوم ہو گیا کہ راگو کافرستان میں ہے تو وہ وہاں سے بھی اسے گرفتار کر سکتی ہے“..... نیامت نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

”یہ باتیں تمہیں کیسے معلوم ہوئی ہیں“..... دوسری طرف سے پوچھا گیا تو نیامت نے کالو سے ہونے والی تمام بات چیت تفصیل سے بتا دی۔

”اوہ اوہ اس کا مطلب ہے کہ ان لوگوں نے تمہارے متعلق بھی معلومات حاصل کر لی ہوں گی کیونکہ ماسٹر احسان تمہارے متعلق اچھی طرح جانتا ہے“..... آفتاب احمد نے تیز لہجے میں کہا۔

”اگر انہوں نے میرا نام معلوم بھی کر لیا ہوگا تب بھی وہ مجھ تک تو کسی صورت بھی نہیں پہنچ سکتے“..... نیامت نے کہا۔

”بہتر ہوتا کہ تم دوبارہ محفوظ ٹھکانے پر چلے جاتے“..... آفتاب احمد نے کہا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے باس۔ پہلے تو میں براہ راست قابو آگیا تھا جب کہ اس بار ایسی کوئی پوزیشن نہیں ہے۔ میں نے اپنا حلیہ نام

سے کہا گیا اور باس نے ہٹن و باکر رابطہ آف کیا اور پھر تیزی سے ہٹن پریس کرنے شروع کر دیئے۔

”یس“..... ایک بھاری سی آواز سنائی دی۔

”نیامت بات کر رہا ہوں“..... باس نے تیز لہجے میں کہا۔

”سپیشل فون پر بات کرو“..... دوسری طرف سے کرخت لہجے میں کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا۔ نیامت نے ہٹن آف کر کے فون پیس کو میز پر رکھا اور کرسی سے اٹھ کر وہ عقبی دیوار میں بنے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دروازہ کھولا اور دوسری طرف کمرے میں آگیا۔ یہاں دیوار میں ایک بڑا ساسیف موجود تھا جو نمبروں سے کھلتا تھا۔ نیامت نے مخصوص نمبر جوڑ کر اسے کھولا اور اس کے اندر رکھے ہوئے ایک سرخ رنگ کے فون پیس کو باہر نکالا اور اس کا ہٹن آن کر کے اس نے اس کے نمبر پریس کرنے شروع کر دیئے۔ اس فون میں ایسا سسٹم تھا کہ اگر اسے راستے میں چیک کیا جاتا تو الفاظ سمجھ میں نہ آسکتے تھے اس لئے اسے سپیشل فون کہا جاتا تھا۔

”یس آفتاب احمد بول رہا ہوں“..... رابطہ قائم ہوتے ہی وہی سخت آواز سنائی دی

”نیامت بول رہا ہوں باس“..... نیامت نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

”ہاں اب بتاؤ کیا بات ہے۔ جب میں نے تمہیں حکم دے دیا تھا کہ مجھ سے کسی قسم کا رابطہ نہ رکھنا تو تم نے کیوں کال کی ہے۔“ دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ انتہائی کرخت تھا۔



مقام سب کچھ بدل لیا ہے اور جنہوں نے یہ دھماکے کئے ہیں وہ سب ہلاک کر دیئے گئے ہیں۔ صرف میرے نام سے وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے حتیٰ کہ اس بار میرے آدمیوں کو بھی میرے اصل نام کا علم نہیں ہے۔ میں نے پورا سیٹ اپ ہی تبدیل کر دیا تھا..... نیامت نے جواب دیا۔

”اوکے۔ اگر تم مطمئن ہو تو ٹھیک ہے لیکن اس کے باوجود پوری طرح محتاط رہنا“..... دوسری طرف سے کہا گیا۔

”آپ مری طرف سے بے فکر ہو جائیں صرف اس راگو کو روک لیں کیونکہ راگو اگر ان لوگوں کے ہاتھ آگیا تو پھر آپ اور میں دونوں سامنے آسکتے ہیں“..... نیامت نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”اس کی فکر مت کرو میں بڑے صاحب کو اطلاع بھیجا دوں گا۔ وہ سب سنبھال لیں گے“..... آفتاب احمد نے جواب دیا اور نیامت نے اوکے کہہ کر فون کا بٹن آف کیا اور پھر فون کو واپس سیف میں رکھ کر اس نے سیف کو لاک کیا اور دوبارہ پہلے والے کمرے میں آگیا۔ اس کے چہرے پر اب اطمینان کے تاثرات نمایاں تھے۔ اس نے میز پر پڑی ہوئی بوتل سے گلاس میں شراب انڈیلی اور گلاس اٹھا کر منہ سے لگالیا۔

نانیگر کی آنکھیں کھلیں تو اسے اپنے سر میں شدید ترین درد کا احساس ہوا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے سر کو کوئی آرے سے کاٹ رہا ہو۔ لیکن آنکھیں کھلتے ہی اس نے اپنے آپ کو جس ماحول میں اور جس انداز میں دیکھا اس سے اس کی توجہ درد سے یکسر ہٹ گئی۔ یاد تھا کہ وہ ہوٹل فائیو سٹار سے نکل کر اپنی کار کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اچانک اس کے سر پر دھماکہ سا ہوا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا ایک اور دھماکہ ہوا اور اس کے ساتھ ہی اس کے تمام احساسات تاریکی میں ڈوب گئے اور اب اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ یہ ایک خاصا بڑا سا کمرہ تھا۔ جس کے درمیان موجود ایک لکڑی کی کرسی پر نانیگر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے جسم کو رسیوں کے ساتھ اس کرسی سے مضبوطی سے باندھ دیا گیا تھا۔ اس کرسی کے سامنے ایک اور کرسی رکھی ہوئی تھی۔ ان دو کرسیوں کے علاوہ اس کمرے میں اور کسی قسم کا

کوئی فریج نہ تھا۔ کمرے کا کھانا دروازہ بند تھا۔

"یہ میں کہاں آگیا ہوں اور کون لے آیا ہے مجھے"..... ٹائیگر نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے جسم کے گرد بندھی ہوئی رسیوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ چند لمحوں بعد ہی اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی کیونکہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اسے باندھنے والا کوئی عام سادی ہے۔ اس نے بڑے عام سے طریقے سے اس کے جسم کے گرد رسی کے بل ے کر اسے پشت پر گانٹھ ماردی تھی اور یہ رسیاں بھی صرف اس کے سینے کے گرد ہی بندھی ہوئی تھیں۔ جب کہ اس کے دونوں بازو کرسی کے بازوؤں کے ساتھ ویسے ہی لٹک رہے تھے۔ انہیں باندھنے کی کوشش ہی نہ کی گئی تھی۔ ٹائیگر نے سانس روک کر اپنے جسم کو سکڑا تو رسیاں ڈھیلی پڑ گئیں اور ٹائیگر نے رسیوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر تیزی سے ایک سائیڈ پر گھمانا شروع کر دیا۔ چند لمحوں کی کوششوں کے بعد کرسی کی پشت پر موجود گانٹھ سامنے آگئی اور ٹائیگر نے اسے آسانی سے کھول لیا۔ پھر اس نے رسیوں کے بلوں کو کافی ڈھیلا کیا اور مخصوص انداز کی گانٹھ مار کر اس نے اسے عقب میں کر دیا۔ اب وہ جب چاہتا انتہائی آسانی سے ایک جھٹکے سے رسیاں کھینچ کر انہیں کھول سکتا تھا۔ وہ چاہتا تو اٹھ کر کھڑا بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن اسے چونکہ باندھا گیا تھا۔ اس لئے وہ چاہتا تھا کہ پہلے باندھنے والے کے بارے میں جان لے کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اس کے بعد حرکت میں آئے گا اور پھر تھوڑی دیر بعد اسے دروازے کے باہر

سے قدموں کی آواز سنائی دی۔ تو اس کے ہونٹ بھینچ گئے۔ چند لمحوں بعد دروازہ ایک دھماکے سے کھلا تو وہ چونک پڑا۔ دروازے پر ایک لمبے قد اور چوڑے جسم کا کلین شیو آدمی کھڑا ہوا تھا جس کے سر کے بال ڈریکولا کے بالوں کی طرح سیدھے کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن یہ بال چھوٹے چھوٹے تھے۔ گو اس آدمی نے انتہائی قیمتی کپڑے کا سوٹ پہنا ہوا تھا لیکن وہ اپنے چہرے اور انداز سے ہی کوئی گھنٹیا آدمی نظر آ رہا تھا۔ اس کے ایک گال پر زخم کے دو نشانات بھی تھے۔ اس کے پیچھے ایک چھوٹے قد اور گٹھے ہوئے جسم کا پہلوان نما آدمی تھا جس کا سر انڈے کی طرح صاف تھا یہ بات نہ تھی کہ اس کے سر پر بال نہ تھے بلکہ سر کو باقاعدہ استرے سے صاف کیا گیا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی مکاری اور عیاری صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا چہرہ پہاڑی لومڑیوں جیسا تھا۔ البتہ آنکھوں میں تیز چمک تھی۔ اس کے جسم پر سیاہ رنگ کا چست لباس تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا ہنڑ تھا۔ ویسے وہ بھی شکل و صورت سے ہی انتہائی گھنٹیا درجے کا بد معاش ہی نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں اندر آئے اور ٹائیگر کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

"تو تمہارا نام ٹائیگر ہے اور تم بڑے بد معاش ہو"..... آنے والے نے بڑے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تم کون ہو"..... ٹائیگر نے بڑے بے خوف سے لہجے میں پوچھا۔  
"میں تمہاری موت ہوں سمجھے۔ تمہیں اب بتانا پڑے گا کہ تم نے استاد جامو کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کیوں ہلاک کیا اور ماسٹر

تعارف یہی ہے کہ تم سب کچھ خود ہی بتا دو اور بس..... باس

نہ کہا۔

”کیا تم ان ہم دھماکوں میں ملوث ہو.....“ ٹائیگر نے کہا۔  
”ہمارا کسی ہم دھماکے سے کوئی تعلق نہیں ہے“..... باس نے

منٹ چباتے ہوئے کہا۔  
”میرا تو یہی خیال ہے کہ تمہارا ان ہم دھماکوں سے تعلق ہے۔  
نہ واقعی ہے تو پھر میرے پاس تمہارے لئے ایسی اہم خبر موجود ہے کہ  
تمہاری جان بچ سکتی ہے اور اگر نہیں ہے تو ٹھیک ہے.....“ ٹائیگر  
نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”کیسی خبر.....“ باس نے چونک کر پوچھا۔  
”جب تمہارا ہم دھماکوں سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے تو تم یہ خبر  
کیوں پوچھ رہے ہو۔ تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا“..... ٹائیگر  
نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

”کالو یہ ہمارا وقت ضائع کر رہا ہے شروع ہو جاؤ.....“ اس باس  
نے کہا اور کالو نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہنٹر کو فضا میں پٹختایا اور  
تیزی سے آگے بڑھا ہی تھا کہ اچانک ٹائیگر کا ہاتھ جواب کوٹ کی جیب  
سے باہر آگیا تھا۔ حرکت میں آیا اور جیسے بجلی چمکتی ہے۔ اس طرح  
کوئی چمکتی ہوئی چیز اس کے ہاتھ سے نکلی اور کالو کی گردن میں جا کر  
غائب ہو گئی۔ کالو نے خوفناک انداز میں چیخ ماری اور اچھل کر زمین پر  
گرا اور بری طرح ہاتھ پیر مارنے لگ گیا۔

احسان کو تم نے کیوں انٹیلی جنس کے ہاتھوں گرفتار کرایا ہے اور وہ  
تمہارے ساتھی کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں..... آنے والے نے تیز  
لہجے میں کہا۔

”تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ میں تو یہ نام ہی زندگی میں  
پہلی بار سن رہا ہوں اور پھر میرا انٹیلی جنس سے کیا تعلق.....“ ٹائیگر  
نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”کالو یہ کیا کہہ رہا ہے.....“ اس آدمی نے مڑ کر ہنٹر والے سے  
مخاطب ہو کر کہا۔

”یہ بکو اس کر رہا ہے باس.....“ کالو نے منہ بناتے ہوئے جواب  
دیا۔

”تو پھر اس سے سچا اگلاؤ۔ میرا منہ کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔“ اس  
باس نے ایک طرف ہنستے ہوئے کہا۔

”ابھی لو باس۔ یہ تو کیا اس کے فرشتے بھی بولیں گے.....“ کالو  
نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

”ایک منٹ رک جاؤ۔ پہلے میری بات سن لو پھر جو جی چاہے کرتے  
رہنا.....“ ٹائیگر نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا دایاں ہاتھ  
لپٹنے کوٹ کی جیب میں ڈال دیا۔

”کیا بات ہے بولو.....“ اس بار اس باس نے کہا۔  
”اگر تم اپنا پورا تعارف کرا دو تو میں تمہیں سب کچھ بتا دوں  
گا.....“ ٹائیگر نے کہا۔

ایلو کے لباس سے ہی اچھی طرح صاف کر کے اسے واپس کوٹ کی بےب میں رکھا اور تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اب باہر چینگ کرنا چاہتا تھا۔ گو اب تک کسی کے وہاں نہ آنے سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ ان دونوں کے علاوہ وہاں اور کوئی آدمی موجود نہیں ہے لیکن یہ چینگ ضروری تھی۔ کمرے سے باہر نکل کر وہ راہداری سے گزر کر ایک برآمدے میں پہنچا۔ یہ ایک چھوٹا سا کوارٹر نما مکان تھا جس میں سب سے بڑا ہی کمرہ تھا جس میں انہوں نے ٹائیگر کو باندھا تھا۔ باقی دو چھوٹے کمرے تھے۔ لیکن وہاں کوئی آدمی موجود نہ تھا۔ کوارٹر کا دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔ ٹائیگر نے دروازہ کھولا اور باہر نکلا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ارد گرد درختوں کا گھناؤنا ذخیرہ تھا اور یہ کوارٹر اس ذخیرے کے درمیان بنا ہوا تھا۔ ایک طرف دو کاریں کھڑی تھیں۔ دور دور تک اور کوئی آبادی یا کوارٹر نظر نہ آ رہا تھا۔ ٹائیگر واپس مڑا اس نے کوارٹر کا دروازہ اندر سے بند کیا اور پھر سیدھا اسی کمرے میں آیا جہاں وہ باس بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ اس نے کرسی کے گرد موجود درسیاں کھولیں اور پھر بے ہوش باس کو اٹھا کر اس کرسی پر بٹھایا اور اس رسی سے اس نے اسے باندھنا شروع کر دیا۔ رسی سے اچھی طرح باندھنے کے بعد اس نے اس کی جیبوں کی تلاشی لینی شروع کر دی جیب سے ایک خود کار پستل اور کار کی چابیاں ملیں۔ ٹائیگر نے دونوں چیزیں ساتھ پڑی کرسی پر رکھ دیں اور پھر اس باس کے ناک اور منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر انہیں دبایا۔ چند لمحوں بعد باس کے جسم میں

کیا ہوا۔ کیا ہوا تمہیں۔۔۔۔۔ کالو کے اس طرح چیتنے اور نیچے گرتے ہی باس تیزی سے اس کی طرف مڑا اور جھک کر کالو کو سنبھالنے لگا جس کی گردن سے فوارے کی طرح خون ابل رہا تھا۔ ٹائیگر نے اس کے مڑتے ہی بجلی کی سی تیزی سے ڈھیلی رسیوں کو کھینچنا دوسرے لمحوں میں اس نے اچھل کر دونوں پیر کرسی کی نشست پر رکھے۔ اس کا اوپر والا جسم رسیوں کے درمیان سے نکل گیا تھا۔ پلک بھینکنے میں ٹائیگر نے چھلانگ لگائی اور فرش پر کھڑا ہو گیا۔ باس ٹائیگر کے قدم فرش پر لگنے کے دھماکے سے چونک کر مڑا ہی تھا کہ ٹائیگر کا ہاتھ گھوما اور باس جیتھا ہوا اچھل کر پہلو کے بل نیچے گرا۔ اس نے نیچے گر کر اٹھنے کی لاشعوری کوشش کی لیکن ٹائیگر کی لات اس کی کنپٹی پر پوری قوت سے پڑی اور ایک بار پھر وہ جیتھا ہوا نیچے گرا ہی تھا کہ ٹائیگر نے دوسری ضرب لگا دی اور باس کا ترتیباً ہوا جسم ایک جھٹکا کھا کر ساکت ہو گیا۔ ٹائیگر نے ایک طویل سانس لیا۔ کالو اس دوران ہلاک ہو چکا تھا اس کی شہ رگ اس طرح کٹی ہوئی تھی۔ جیسے کسی نے استرے سے کاٹ دی ہو۔ ٹائیگر نے اس کے گلے پر اپنا مخصوص بلیڈ استعمال کیا تھا جو وہ کوٹ کی جیب کے اندر ایک مخصوص جیب میں رکھتا تھا۔ یہ فولادی بلیڈ تھا اور اسے نشانے پر پھینکنے کے لئے خصوصی مہارت کی ضرورت ہوتی تھی اور ٹائیگر نے اس کی باقاعدہ طویل مشق کی تھی اور آج یہ مشق اس کے کام آگئی تھی۔ کیونکہ اس کی جیبوں سے اسلحہ پہلے ہی نکال لیا گیا تھا ٹائیگر نے کالو کی گردن میں چوست وہ فولادی بلیڈ کھینچا اور پھر اسے

سے گھوما اور کمرہ ہنٹر کی مخصوص آواز کے ساتھ ہی اس روشن کے حلق سے نکلنے والی کرنک جیج سے گونج اٹھا۔

”اصل نام بتاؤ اصل“... ٹائیگر نے غزاتے ہوئے کہا اور دوسری بار اس کا ہاتھ گھوم گیا۔ پھر تو جیسے اس کو دورہ سا پڑ گیا تھا ہنٹر کی مسلسل اور پے در پے ضربوں نے اس روشن پر بے شمار زخم ڈال دیئے تھے۔ اس کے کپڑے پھٹ گئے تھے اور وہ کئی بار بے ہوش ہوا تھا اور کئی بار خود ہی ہوش میں آیا تھا۔

”بتاؤ کیا نام ہے تمہارا“... ٹائیگر نے جنونی انداز میں کہا۔

”نیامت۔ میرا نام نیامت ہے“... اچانک روشن کے منہ سے نکلا اور ٹائیگر نے چونک کر ہاتھ روک لیا۔

”اوہ۔ اوہ تو تم ہو وہ نیامت جس نے یہ بم دھماکے کئے ہیں۔“ ٹائیگر نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا لیکن نیامت کی گردن ایک بار پھر ڈھلک چکی تھی۔ نیامت کا نام سنے آنے سے اب ٹائیگر کی نظروں میں اس کی اہمیت بڑھ گئی تھی اس لئے اس نے ہنٹر ایک طرف پھینکا اور پھر تیزی سے اس کمرے سے باہر نکل آیا۔ کوارٹر سے باہر آکر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر کار کی طرف بڑھ گیا۔ وہ یہ چیک کرنا چاہتا تھا کہ اس وقت وہ کہاں موجود ہے۔ لیکن اسے سمجھ نہ آ رہی تھی کیونکہ درختوں کا گھناؤنا ذخیرہ کافی دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ٹائیگر چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ جب اسے علاقے کی سمجھ نہ آئی تو وہ واپس مڑا۔ اب اس نے اس نیامت کو ساتھ لے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ورنہ پہلے اس کا خیال

حرکت کے تاثرات نمودار ہونے لگے تو اس نے ہاتھ ہٹائے اور پھر ایک طرف پڑا ہوا وہ ہنٹر اٹھا لیا جو کالو کے ہاتھ سے گرا تھا۔ چند لمحوں بعد اس باس نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ پھر اس نے لاشعوری طور پر اٹھنے کی کوشش کی لیکن بندھا ہونے کی وجہ سے وہ صرف کسمکسا کر رہ گیا۔

”تم۔ تم۔ ان رسیوں سے کیسے آزاد ہو گئے تھے۔ کیا۔ کیا۔ تم جادو گر ہو“... باس نے حیرت بھرے لہجے میں کہا تو ٹائیگر بے اختیار مسکرا دیا۔

”تم باس تو بن گئے ہو۔ لیکن ہو بڑے تھرڈ کلاس قسم کے باس۔ بہر حال اب تم اپنا تفصیلی تعارف کرا دو۔ ورنہ میرا ہاتھ ایک بار چل پڑا تو پھر رکے گا نہیں“... ٹائیگر نے کہا۔

”تم۔ تم۔ مجھ سے دولت لے لو۔ مجھے چھوڑ دو۔ مجھ سے واقعی غلطی ہو گئی تھی کہ میں نے تمہیں اغوا کرانے کا سوچا“... باس نے کہا۔

”تمہارا نام کیا ہے“... ٹائیگر نے پوچھا۔

”میرا نام روشن ہے“... باس نے کہا۔

”تمہارا ان بم دھماکوں سے کیا تعلق ہے“... ٹائیگر نے پوچھا۔

”میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تو ماسٹر احسان کی گرفتاری کی وجوہات جاننا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ میرا دوست تھا“... روشن نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے کہ تم سے اس ہنٹر کی زبان میں بات کی جائے“... ٹائیگر نے کہا اور دوسرے لمحے اس کا ہاتھ بجلی کی سی تیزی

تھا کہ عمران کو کال کر کے اسے تفصیل بتا دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ عمران خود وہاں آنا پسند کرے۔ لیکن جگہ کی پہچان نہ ہونے کی وجہ سے اس نے یہی فیصلہ کیا کہ نیامت کو ساتھ لے کر رانا ہاؤس پہنچ جائے۔ واپس کمرے میں پہنچ کر اس نے کرسی پر بے ہوش پڑے ہوئے نیامت کو کھول کر پھر رسی کی مدد سے اس نے اس کے دذنوں ہاتھ اس کے عقب میں باندھے اور اسے کاندھے پر اٹھا کر وہ مڑا اور کرسی پر موجود پسٹل اور کار کی چابیاں اٹھا کر وہ نہ صرف اس کمرے بلکہ کوارٹر سے بھی باہر آگیا۔ ان دونوں کاروں میں سے ایک کال بالکل نئی اور جدید ماڈل کی تھی اور جو چابیاں اسے نیامت کی جیب سے ملی تھیں وہ بھی بالکل نئی تھیں اس لئے ناٹیکر سمجھ گیا کہ نئی کار پر ہی نیامت آیا ہوگا۔ اس نے چابی کی مدد سے کار کے دروازے کھولے اور پھر عقبی دروازہ کھول کر اس نے نیامت کو عقبی سیٹوں کے درمیان لٹایا اور دروازہ بند کر کے وہ تیزی سے خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ چند لمحوں بعد کار تیزی سے درختوں کے درمیان بنے ہوئے کچے راستے پر دوڑتی ہوئی آگے بڑھی چلی جا رہی تھی۔ ذخیرہ کافی وسیع رقبے پر پھیلا ہوا تھا اس لئے اس ذخیرے سے باہر نکلنے نکلنے کار کو پچیس منٹ لگ گئے اور جب وہ مین روڈ پر پہنچا تب اسے معلوم ہوا کہ وہ شہر سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس نے کار کا رخ شہر کی طرف موڑا اور کار کی رفتار ممکنہ حد تک بڑھا دی۔

صدیقی نے کار دارالحکومت کے ایک مضافاتی علاقے کے عام سے ہوٹل سے ذرا دور لے جا کر روک دی۔ کار میں اس کے ساتھ چوہان خاں اور نعمانی تینوں موجود تھے۔ کار رکتے ہی وہ چاروں نیچے اترے اور صدیقی نے کار لاک کی اور پھر وہ چاروں اس ہوٹل کی طرف چل پڑے۔ ہوٹل عام ساریسٹوران تھا اور وہاں کسی قسم کا کوئی رش بھی نہ تھا۔ ہال درمیانے درجے کا ہی تھا۔ ہال میں اس وقت چند افراد ہی موجود تھے۔ ایک طرف کاؤنٹر تھا جس کے پیچھے ایک نوجوان کھڑا ہوا تھا۔ وہ چاروں ایک خالی میز کے گرد جا کر بیٹھ گئے۔ دوسرے لمحے ایک ویٹر ان کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے مینو کارڈ ان کے سامنے رکھ دیا۔ صدیقی نے مینو کارڈ دیکھ کر چاروں کے لئے ایک ایک مشروب لانے کا کہہ دیا اور ویٹر سر ملاتا ہوا واپس مڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد مشروب سرو کر دیا گیا۔ "ایک منٹ"..... صدیقی نے ویٹر کے واپس جانے پر اسے روکتے

اجمل کریانہ سٹور کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ چھوٹی سی دکان

تھی جس پر ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔

”تم ارشاد حسین کے بھائی ہو“..... صدیقی نے اس نوجوان سے مخاطب ہو کر کہا۔

”جی۔ جی۔ صاحب“..... نوجوان نے چونک کر جواب دیا۔

”ہم یہاں ہوٹل میں رہتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ بیمار

ہے۔ وہ ہماری کافی خدمت کرتا تھا، ہم نے سوچا کہ اس کی بیمار پرسی کر

لی جائے۔ کیا آپ ہمیں ان کے کوارٹر کا نمبر بتائیں گے“..... صدیقی نے کہا۔

”اوہ جناب میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ وہ سامنے تیسری گلی میں

کوارٹر ہے“..... نوجوان نے کہا اور پھر ساتھ والے دکاندار کو اس نے

دکان کے خیال رکھنے کا کہا اور دکان سے اتر آیا۔

”ادھر ہماری کار موجود ہے“..... صدیقی نے ایک طرف اشارہ

کرتے ہوئے کہا۔

”آپ آجائیں سامنے چوک پر۔ میں وہاں جاتا ہوں“..... نوجوان

نے کہا اور صدیقی سر ہلاتا ہوا واپس کار کی طرف مڑ گیا۔ چند لمحوں بعد وہ

ایک کوارٹر کے ایک چھوٹے سے کمرے میں موجود تھے جس میں ایک

چارپائی پر ایک بوڑھا آدمی بیٹھا ہوا تھا اس کا رنگ زرد تھا اور وہ بڑی

مشکل سے سانس لے رہا تھا۔

”بھائی جان یہ صاحبان آپ کی بیمار پرسی کے لئے آئے ہیں۔“

ہوئے کہا۔

”ییس سر“..... ویٹر نے مڑ کر مؤدبانہ انداز میں پوچھا۔

”یہاں ایک ویٹر ارشاد حسین ہوا کرتا تھا۔ کیا اب بھی وہ یہاں کام

کرتا ہے“..... صدیقی نے ویٹر سے پوچھا۔

”ارشاد حسین وہ بوڑھا۔ نہیں جناب وہ تو گزشتہ کئی ماہ سے بیمار

ہے“..... والہ نے جواب دیا۔

”بیمار ہے۔ اوہ۔ ویری سیڈ۔ کہاں رہتا ہے وہ۔ ہم اسے پوچھنے

ضرور جائیں گے۔ وہ ہماری بڑی خدمت کیا کرتا تھا“..... صدیقی نے

افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

”اسی کالونی میں رہتا ہے جناب سی کلاس کوارٹر میں ہے۔ کوارٹر

نمبر تو مجھے یاد نہیں ہے۔ بہر حال وہاں اس کے بھائی کی کریانہ کی دکان

ہے۔ اجمل کریانہ سٹور ہے وہاں سے آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ ویٹر

نے جواب دیا تو صدیقی نے اس کا شکریہ ادا کیا اور ویٹر خاموشی سے

واپس چلا گیا۔ مشروب پینے کے بعد صدیقی نے بل کی ادائیگی کے ساتھ

ساتھ ایک خاصی بڑی رقم ویٹر کو پمپ میں دی تو ویٹر نے انہیں جھک

کر سلام کیا اور وہ خاموشی سے چلتے ہوئے ہوٹل سے باہر آ گئے۔ تھوڑی

دیر بعد ان کی کار کالونی کے اندر گھوم رہی تھی۔ سی کلاس کوارٹر کالونی

کے سب سے آخری حصے میں بنے ہوئے تھے۔ چھوٹے چھوٹے ڈربے بنا

کوارٹر درمیان میں دکانیں تھیں۔ صدیقی نے کار دکانوں کے پاس

روک دی اور خود اتر کر وہ دکانوں کی طرف بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ

"اوہ نہیں یہ تو بہت زیادہ ہیں"..... ارشاد حسین نے انتہائی حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"زیادہ نہیں ہیں۔ آپ واقعی ہمیں نہیں جانتے۔ ہمیں آپ کے متعلق ایک ہوٹل لارڈ کے ویٹر عارف نے بتایا ہے۔ آپ کو یہ تو معلوم ہوگا کہ دارالحکومت میں دو ہم دھماکے ہوئے ہیں جن میں بے شمار بے گناہ افراد ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں۔ یہ ایک غیر ملکی سازش ہے۔ ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ ان دھماکوں میں ایک آدمی ساجن نام کا ملوث ہے اور اس ساجن کے بارے میں آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔ ہم یہاں اس ساجن کا پتہ معلوم کرنے آئے ہیں"..... صدیقی نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا تو بوڑھے کے چہرے پر یکفخت انتہائی خوف کے تاثرات ابھر آئے۔

"مم۔ مم۔ مگر وہ تو۔ وہ تو۔ انتہائی ظالم آدمی ہے۔ وہ تو میرے پورے خاندان کو ہلاک کروا دے گا"..... بوڑھے نے خوف سے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اے معلوم ہوگا تو وہ آپ کے خلاف کچھ کرے گا۔ آپ تو ہمارے پرانے واقف کار ہیں اور ہم آپ کی مزاج پرسی کے لئے آئے ہیں اور بس"..... صدیقی نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے جیب سے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور اسے پہلی گڈی کے ساتھ رکھ دیا۔ "کیا آپ واقعی وعدہ کرتے ہیں کہ میرے متعلق کچھ نہ بتائیں گے"..... بوڑھے نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔

نوجوان نے اس بوڑھے سے مخاطب ہو کر کہا۔

"مم۔ مم۔ مگر"..... بوڑھے نے حیرت بھری نظروں سے صدیقی اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ اب بے شک دکان پر جا سکتے ہیں۔ آپ کا بے حد شکریہ۔" صدیقی نے مسکراتے ہوئے اس نوجوان سے کہا۔

"میں آپ کے لئے کچھ پینے کے لئے آؤں"..... نوجوان نے کہا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ابھی ہوٹل سے مشروب پی کر آئے ہیں"..... صدیقی نے چارپائی کے گرد موجود کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس کے باقی ساتھی بھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ نوجوان سر ملاتا ہوا واپس چلا گیا۔

"آپ کا نام ارشاد حسین ہے"..... صدیقی نے کہا۔

"ہاں مگر میں تو آپ کو پہچانتا بھی نہیں"..... پھر آپ نے یہاں آنے کی کیسی تکلیف کی"..... بوڑھے نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"ہم آپ کی بیمار پرسی کے لئے آئے ہیں"..... صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا اور جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اس نے ارشاد حسین کے بستر پر رکھ دی۔ ارشاد حسین نے چونک کر حیرت بھرے انداز میں اس گڈی کو دیکھا۔

"یہ کیا ہے"..... ارشاد حسین نے حیران ہو کر کہا۔

"اصل سے آپ اپنا علاج کرائیں محترم یہ ہماری طرف سے تحفہ ہے"..... صدیقی نے کہا۔



اگر کو ارثر سے باہر آگئے۔ تھوڑی دیر بعد ان کی کار کالونی کے مین روڈ پہنچ گئی۔

یہ ساجن کے بارے میں تمہیں کیسے معلوم ہوا ہے صدیقی۔

ناور نے جو سائیڈ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اس سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

اسے اتفاق ہی کہا جاسکتا ہے۔ میں ہوٹل میں بیٹھا کھانا کھا رہا

تھا ہال تقریباً خالی تھا اس لئے مجھ سے کچھ فاصلے پر کھڑے دو ویر آپس

میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کی گفتگو کا موضوع بھی یہی بم دھماکے ہی

تھے۔ کیونکہ اس وقت پورے دارالحکومت کا موضوع ہی یہی ہے۔

میرے کانوں تک ان کی باتیں پہنچ رہی تھیں۔ ایک ویر نے کہا کہ

اسے یقین ہے کہ ان دھماکوں میں ساجن کا ہی ہاتھ ہوگا اور پھر ساجن

کے بارے میں انہوں نے باتیں شروع کر دیں۔ تفصیلی باتوں کے

دوران شاید دوسرے ویر کی کال آگئی اور وہ چلا گیا تو میں نے اس ویر

کو بلایا۔ اس کے ہاتھ پر ایک بڑا نوٹ رکھا اور اس سے ساجن کے

بارے میں پوچھا تو پہلے وہ بری طرح گھبرا گیا لیکن جب میں نے اسے

شسلی دی تو اس نے عقبی لاؤنج پر آکر بات کرنے کے لئے کہا۔ میں

کھانا کھا کر وہاں چلا گیا۔ وہاں اس نے بتایا کہ ساجن مشہور غنڈہ ہے

بظاہر وہ ایک کاروباری آدمی ہے۔ لیکن درپردہ وہ کوئی غیر ملکی ایجنٹ

ہے۔ ایک بار اس کا مہمان اس ہوٹل میں بھی رہ چکا ہے۔ اس کا نام

لعل خان تھا۔ یہ ویر اس کمرے کو اٹھ کر رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ

ایک روز اسے اتفاق سے معلوم ہو گیا کہ یہ لعل خان دراصل کوئی

بالکل نہیں بتائیں گے۔ آپ قطعی بے فکر رہیں اور ہمیں اسے بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔..... صدیقی نے جواب دیا۔

”ساجن بنیادی طور پر ایک مستری ہے۔ کاروں کا مستری۔ پہلے وہ

یہی کام کرتا تھا۔ اس زمانے میں میری اس سے کافی گہری دوستی تھی پھر

وہ بری راہوں پر چل نکلا اور اس کے بعد اچانک اس کے پاس کافی

دولت آگئی اور اس نے اپنے سابقہ دور کے سب ساتھیوں سے آنکھیں

پھیر لیں۔ البتہ اس نے میری کئی بار مدد بھی کی ہے۔ اب وہ ایک

بڑے شو روم کا مالک ہے۔ ڈان موٹرز کے نام سے یہ شو روم

دارالحکومت کی آٹو مارکیٹ میں ہے۔ ساجن اس کا مالک ہے۔“

بوڑھے نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”شکریہ ارشاد صاحب۔ اس ساجن کا حلیہ تو بتا دیں۔..... صدیقی

نے کہا۔

”عام ساحلیہ ہے۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔..... ارشاد نے

منہ بناتے ہوئے کہا تو صدیقی نے اثبات میں سر ہلادیا۔

”اوکے۔ بے حد شکریہ اب ہمیں اجازت اللہ تعالیٰ آپ کو صحت

وے۔..... صدیقی نے اٹھتے ہوئے کہا تو اس کے ساتھی بھی اٹھ

کھڑے ہوئے۔

”بس یہ مہربانی کریں کہ میرے متعلق اسے نہ بتائیں۔“ بوڑھے

نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

”آپ بے فکر رہیں۔..... صدیقی نے کہا اور پھر وہ اس سے اجازت

انے۔ پھر تقریباً نصف گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد وہ ڈان موٹرز کے شو روم پر پہنچ گئے۔ وہ واقعی کافی بڑا اور جدید ٹائپ کا شوروم تھا۔ کار سے نکل کر وہ ایک سائیڈ پر بنے ہوئے دفتر کی طرف بڑھ گئے جہاں چند افراد موجود تھے۔

”فرمائیے، جناب“..... ان میں سے ایک نے سب سے آگے موجود صدیقی سے مخاطب ہو کر کہا۔

”ہم نے کافی کاروں کا آرڈر دینا ہے ساجن صاحب سے ملاقات ہو سکتی ہے“..... صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”وہ تو اس وقت اپنی کوٹھی پر ہوں گے۔ یہاں تو وہ شام کو آتے ہیں آپ مجھے بتائیں میں نیچر ہوں“..... اسی آدمی نے جواب دیا۔

”ان کی رہائش گاہ کہاں ہے“..... صدیقی نے کہا۔

”ہل پارک کالونی میں کوٹھی نمبر آٹھ اے بلاک۔ لیکن جناب وہ کوٹھی پر کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔ آپ مجھے بتائیں کاروباری کام میں ہی کرتا ہوں وہ نہیں کرتے..... نیچر نے جواب دیا۔

”کافی بڑا آرڈر ہے اس لئے ہم پہلے ساجن صاحب سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ وہ شام کو کس وقت آتے ہیں ہم اس وقت آجائیں گے“..... صدیقی نے جواب دیا۔

”پانچ بجے تک آجاتے ہیں“..... نیچر نے جواب دیا۔

”اوکے۔ پانچ بجے آجائیں گے شکریہ“..... صدیقی نے کہا اور

واپس مڑ گیا۔

سردار ہے۔ اس کا نام سریندر سنگھ ہے۔ وہ دراصل کسی سے ٹرانسمیٹر پر بات کر رہا تھا کہ ویٹر نے ساتھ والے کمرے سے سن لیا۔ ساجن اس سے ملنے آتا تھا۔ ساجن کو وہ اس لئے جانتا تھا کہ ساجن کے ساتھ اس کا ایک بھائی بھی ان دھندوں میں شریک تھا۔ پھر وہ کسی جھگڑے میں مارا گیا تھا۔ اس نے ان بم دھماکوں میں ساجن کی شمولیت کا اندازہ بھی اس بات سے لگایا تھا کہ اس کی دوستی سریندر سنگھ سے تھی اور یہ بات پورے شہر کے لوگوں کی زبان پر ہے کہ ان دھماکوں کے پیچھے کافرستانی مہجمنوں کا ہاتھ ہے۔ چونکہ لعل خان اور سریندر سنگھ کے بارے میں ہمیں پہلے معلومات مل چکی تھیں اس لئے میں ساجن کے بارے میں سنجیدہ ہو گیا۔ لیکن یہ ویٹر ساجن کے موجودہ اڈوں کے بارے میں کچھ نہ جانتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کے بھائی کو ہلاک ہوئے تین سال گزر گئے ہیں اور اس کے بعد اس نے کبھی ساجن کو نہیں دیکھا۔ البتہ اس نے اس ویٹر ارشاد حسین کے بارے میں بتایا کہ اس کا بھائی جب ساجن کے ساتھ تھا تو یہ ویٹر بھی اکثر ان سے ملنے آتا تھا اور اس کے بھائی نے بتایا تھا کہ یہ ویٹر ساجن کا بڑا پرانا دوست ہے۔ ارشاد کے بارے میں اس نے بتایا کہ وہ مضافاتی کالونی کے ہوٹل میں کام کرتا ہے۔ جہاں اس کا گھر بھی ہے اس لئے میں تمہیں ساتھ لے کر یہاں آیا تھا“..... صدیقی نے پوری تفصیل بتاتے ہوئے کہا کیونکہ اس سے پہلے انہیں واقعی ان ساری باتوں کے بارے میں کوئی علم نہ تھا اور وہ صرف صدیقی کی کال پر اس کے ساتھ چل پڑے

”اب اس کی رہائش گاہ پر جانا ہوگا“..... خاور نے کہا۔

”ہاں“..... صدیقی نے مختصر سا جواب دیا اور چند لمحوں بعد ان کی کار ہل پارک کالونی کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی۔ یہ نوآباد کالونی تھی اور دارالحکومت کے مضافات میں تھی۔ یہاں خاصی بڑی بڑی کوٹھیاں بنائی گئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک عالمی شان کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے۔ صدیقی نے کار ایک سائیڈ پر کر کے روک دی۔

”فور سٹار نے اب ایکشن میں آنا ہے“..... صدیقی نے گیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا اور سب نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیئے۔ گیٹ بند تھا۔ صدیقی نے کال ہیل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ چند لمحوں بعد سائیڈ پھانک کھلا اور ایک نوجوان باہر آگیا جو لباس اور پھرے مہرے سے ملازم ہی لگتا تھا۔

”ساجن صاحب ہیں“..... صدیقی نے کہا۔

”وہ سو رہے ہیں“..... نوجوان نے جواب دیا۔

”ہم نے ان سے ملنا ہے“..... صدیقی نے کہا۔

”وہ تو جتاب کسی سے نہیں ملتے“..... نوجوان نے روکھے سے لہجے میں کہا اور واپس مڑنے ہی لگا تھا کہ صدیقی نے ہاتھ بڑھا کر اسے گردن سے پکڑا اور پھر دھکیلتا ہوا اندر لے گیا۔

”یہ۔ یہ کیا کر رہے ہیں آپ“..... لڑکے نے بری طرح گھبرائے ہوئے لہجے میں انک انک کر کہا۔

”ابھی میں نے صرف گردن پکڑی ہے۔ ورنہ ایک جھٹکے سے یہ

بٹ بھی سکتی ہے سمجھتے۔ خاموشی سے ہمارے ساتھ چلو“..... صدیقی نے غراتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ہلکا سا جھٹکا دے کر اس کی گردن چھوڑ دی اور نوجوان دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن مسلنے لگا لیکن ساتھ ساتھ وہ چل بھی رہا تھا۔

”آپ۔ آپ کون ہیں“..... نوجوان نے قدرے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

”خاموشی سے چلو۔ تمہارے علاوہ یہاں اور کتنے ملازم ہیں۔“..... صدیقی نے پوچھا۔

”چار ہیں۔ جن میں سے دو تو شہر گئے ہوئے ہیں ایک باورچی ہے وہ باورچی خانے میں ہے“..... نوجوان نے کہا۔

”تمہارا نام کیا ہے“..... صدیقی نے پوچھا۔

”مشرف“..... نوجوان نے جواب دیا۔

”ساجن صاحب جس کمرے میں ہیں ہمیں وہاں لے چلو“۔ صدیقی نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے جیب سے ریوالت نکال کر اس کی گردن سے لگا دیا۔

”نچ۔ نچ۔ جی ہاں۔ مجھے مت ماریں“..... مشرف نے انتہائی خوفزدہ لہجے میں کہا اور تھوڑی دیر بعد وہ عمارت کے اندر ایک راہداری سے گزرتے ہوئے ایک کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے۔

”خاور مشرف کے ساتھ جاؤ اور اس باورچی کو دیکھ آؤ“..... صدیقی نے خاور سے کہا اور خاور نے سر ہلاتے ہوئے مشرف کا بازو پکڑا اور

آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ وہ تکلیف کی شدت سے بے ہوش ہو گیا تھا۔ صدیقی نے جھک کر اسے بازو سے پکڑا اور ایک جھٹکے سے اسے واپس کرسی پر ڈال دیا۔

”رسی لے آؤ۔ اس کا چہرہ مہرہ اور جسم بتا رہا ہے کہ خاصا سخت جان آدمی ہے۔“ صدیقی نے کہا اور خاور واپس کھلے ہوئے دروازے کی طرف مڑ گیا۔ جب کہ چوہان نے آگے بڑھ کر ٹیپ بند کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اسکے دونوں ہاتھ عقب میں باندھ دیئے گئے اور پھر باقی رسی سے اسے کرسی سے باندھ دیا گیا۔ اسکے بعد صدیقی نے اس کے ناک اور منہ پر دونوں ہاتھ رکھے اور چند لمحوں بعد جب اس کے جسم میں حرکت کے تاثرات محسوس ہونے لگے تو صدیقی نے ہاتھ ہٹائے۔

”چوہان تم اور خاور دونوں باہر جاؤ وہ دونوں ملازم کسی بھی وقت آ سکتے ہیں۔“ صدیقی نے چوہان اور خاور سے کہا اور وہ دونوں سر ہلاتے ہوئے باہر چلے گئے۔ اسی لمحے ساجن نے کرہستے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ اب کمرے میں صدیقی کے ساتھ نعمانی تھا۔ وہ دونوں اس ساجن کے سامنے پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔

”جہاں نام ساجن ہے“ صدیقی نے ساجن کے پوری طرح ہوش میں آتے ہی اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

”ہاں مگر تم کون ہو۔ کیا ڈاکو ہو۔ مگر۔ میرے پاس تو کچھ زیادہ نقد نہیں ہے۔“ ساجن نے کہا۔

”سریندر سنگھ اور جانی کہاں ہیں۔“ صدیقی نے پوچھا تو ساجن

اسے لے کر واپس مڑ گیا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا لیکن اندر سے ہلکی ہلکی موسیقی کی آوازیں باہر آتی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ سب خاموش کھڑے ہوئے تھے انہیں خاور کی واپسی کا انتظار تھا اور پھر تھوڑی دیر بعد خاور آگیا۔

”میں نے انہیں بے ہوش بھی کر دیا ہے اور باندھ کر منہ میں کپڑے بھی ٹھونس دیئے ہیں۔“..... خاور نے قریب آکر کہا تو صدیقی نے اثبات میں سر ہلادیا اور پھر آگے بڑھ کر اس نے دروازہ کو ذرا سا ہاتھ سے دبایا تو دروازہ آہستہ سے کھلنے لگا۔ وہ اندر سے بند نہ تھا۔ صدیقی نے لات مار کر دروازہ کھولا اور اچھل کر اندر داخل ہو گیا۔ کمرہ انتہائی شاندار انداز میں سجا ہوا تھا۔ ایک آرام کرسی پر ایک آدمی ہاتھ میں کوئی رسالہ پکڑے بیٹھا ہوا تھا۔ ایک طرف میز پر کوئی جدید قسم کا ٹیپ ریکارڈ تھا جس سے موسیقی کی آواز نکل رہی تھی۔ کمرے میں انتہائی قیمتی قالین پکھا ہوا تھا۔ اس آدمی کے جسم پر سیلینگ گاؤن تھا۔ دروازہ اس طرح کھلنے اور صدیقی اور اس کے ساتھیوں کے اچانک اندر آنے سے وہ آدمی بے اختیار ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”کک کک کون ہو تم۔“..... اس آدمی نے کہا ہی تھا کہ صدیقی کا ہاتھ گھوما اور دوسرے لمحے وہ آدمی چیختا ہوا اچھل کر نیچے گرا ہی تھا کہ خاور کی لات چلی اور ایک بار پھر وہ اچھل کر چیختا ہوا دور جا گرا۔ نعمانی کی لات اس کی پسلیوں پر پڑی اور کمرہ اس کے حلق سے نکلنے والی چیخوں سے گونج اٹھا اور اس کے ساتھ ہی وہ یلکھت ساکت ہو گیا۔ اس کی

ساتھ ہی اس نے ایک گولی ساجن کے سامنے چیمبر کے ایک خانے میں ڈالی اور باقی گولیاں اس نے جیب میں ڈال کر ہاتھ کی ہتھیلی سے چیمبر بند کر دیا۔ یہ اور بات تھی کہ ریو الوور کو زور سے موڑتے ہی چیمبر میں موجود گولی بھی اس کی ہتھیلی پر موجود باقی گولیوں میں شامل ہو گئی تھی اور صدیقی نے خالی چیمبر بند کر دیا تھا۔

”اب اس میں ایک گولی ہے اور سات خانے خالی ہیں۔“ صدیقی نے کسی شعبہ باز کے انداز میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے چیمبر کو تیزی سے گھمانا شروع کر دیا۔ کافی دیر تک اسے گھمانے کے بعد اس نے ہاتھ ہٹا لیا۔

”سنو ساجن۔ اب مجھے بھی معلوم نہیں ہے کہ کیا گولی والا خانہ ٹریگر کے سامنے ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو فائر خالی جائے گا اور تمہیں ایک چانس مل جائے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں سات چانس مل جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک بھی نہ ملے اور پہلے ہی بار فائر ہو جائے۔ سمجھ گئے ہوناں۔ اب میں پانچ تک گنوں گا اور ٹریگر دبا دوں گا۔“ صدیقی نے اٹھ کر بندھے ہوئے ساجن کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے ریو الوور کی نال ساجن کی پیشانی پر رکھ دی۔ ریو الوور، اس کا ٹریگر اور صدیقی کا ہاتھ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

”سنو سب کچھ بتا دو ہمارا تعلق سپیشل پولیس سے ہے۔ تمہیں وعدہ معاف گواہ بنایا جاسکتا ہے۔ یا پھر بھیا نک موت تمہارا انجام بن

بے اختیار چونک پڑا۔ اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے حیرت کے تاثرات نمودار ہوئے لیکن دوسرے لمحے اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

”کک کک کون سریندر سنگھ اور جانی۔“..... ساجن نے انک انک کر کہا۔

”جن سے تم بم خریدتے ہو اور پھر ان بموں کے دھماکے کر کے لوگوں کو مارتے ہو۔“..... صدیقی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”یہ غلط ہے۔ میرا کسی بم دھماکے سے کیا تعلق میں تو کاروباری آدمی ہوں۔ تم میرے متعلق کسی سے بھی پوچھ سکتے ہو۔ بے شک آنکوائری کرالو۔ جہاں سے جی چاہے پوچھ لو۔“..... ساجن نے اس بار بڑے با اعتماد لہجے میں کہا۔ اس کے اس اعتماد نے ایک بار تو صدیقی کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا کہ کہیں وہ اس ویڈیو کی باتوں میں آکر غلط آدمی پر تو ہاتھ نہیں ڈال رہا۔ لیکن دوسرے لمحے اس کے ذہن میں سریندر سنگھ اور جانی کے نام گونج اٹھے۔ بم دھماکوں کے بعد وہ جانی کو گرفتار کرنے گئے تھے لیکن جانی غائب ہو چکا تھا۔

”ابھی معلوم ہو جاتا ہے کہ تمہارا کوئی تعلق ہے یا نہیں۔“ صدیقی نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریو الوور کا چیمبر کھولا اور اس میں موجود گولیاں نکال کر اس نے اپنی ہتھیلی پر رکھ لیں۔

”یہ دیکھ رہے ہو یہ چیمبر خالی ہے۔ اب میں اس میں ایک گولی ڈالوں گا۔ باقی چیمبر خالی رہے گا۔“..... صدیقی نے کہا اور اس کے

"ہٹا لو اسے۔ میں بتاتا ہوں"..... ساجن کے لہجے میں بے پناہ خوف تھا اور صدیقی نے ریو الوور ہٹا لیا۔  
 "یو لو سب کچھ سچ بتا دو۔ ہم تمہیں وعدہ معاف گواہ بنا کر بچا لیں گے"..... صدیقی نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"میں ان دو دھماکوں میں ملوث نہیں ہوں۔ لیکن میں اس گینگ سے ضرور متعلق ہوں۔ جس نے یہ دھماکے کرائے ہیں۔ پہلے یہ دھماکے میرے ذمے لگائے گئے تھے۔ میں سرحد پر رہنے والے ایک آدمی جانی کے پاس گیا تھا۔ جس کے ڈیرے پر ایک سمگلر کافرستان سے آکر رہتا ہے۔ وہ جدید ترین وائرلیس کنٹرول بم سپلائی کرتا ہے۔ وہ وہ سمگلر جس کا اصل نام سریندر سنگھ ہے۔ موجود تھا۔ اس وقت میرے پاس کا ارادہ تھا کہ یکے بعد دیگرے سات بڑے دھماکے کئے جائیں۔ تاکہ ملک میں اس دہشت گردی کی بنا پر افراتفری پھیل جائے اور حکومت جو مشکباریوں کی طرف متوجہ ہے اسکی توجہ ہٹ جائے۔ لیکن وہاں اچانک اطلاع ملی کہ چند اجنبی جیپ پر سوار جانی کے ڈیرے کی طرف آرہے ہیں۔ اس پر میں اپنے ساتھی کے ساتھ اور وہ سریندر سنگھ جس کا مقامی نام لعل خان ہے وہاں سے جیپوں پر بیٹھ کر چلے گئے پھر باس نے اطلاع دی کہ وہاں آنے والوں میں سے ایک کا تعلق پاکیشیا سیکرٹ سروس سے ہے اور باقی آدمیوں کا تعلق کسی فورسٹار گروپ سے ہے۔ انہوں نے سردار بہادر خان جیسے باثر آدمی کے منیجر کو ٹرانسپورٹ میں ہونے والے بم دھماکوں کے سلسلے میں گرفتار کر کے

جائے گی اور یہ سب دولت عیش و آرام تمہیں قبر میں نہیں مل سکیں گے"..... صدیقی نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے گنتی شروع کر دی۔

"مم۔ مم۔ کچھ نہیں جانتا یقین کرو میرا کسی بم دھماکے سے کوئی تعلق نہیں ہے"..... ساجن نے لڑکھواتی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کے پیچھے سے پسینہ بہنے لگا تھا لیکن صدیقی نے گنتی جاری رکھی اور پھر پانچ پر آتے ہی اس نے ٹریگر دبا دیا۔ کرچ کی آواز کے ساتھ ہی ساجن کے جسم کو جھٹکا لگا اور اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

"خوش قسمت ہو ایک چانس تمہیں مل گیا ہے۔ ضروری نہیں کہ دوسرا بھی ملے"..... صدیقی نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ایک بار پھر گنتی شروع کر دی۔ اب ساجن کی حالت پہلے سے زیادہ خراب ہو چکی تھی اس کا جسم اب نمایاں طور پر کانپنا شروع ہو گیا۔  
 "تین..... چار....." صدیقی اسی طرح سرد آواز میں گنتی گنے جا رہا تھا۔

"رک جاؤ۔ رک جاؤ۔ میں سب بتا دیتا ہوں رک جاؤ۔" اچانک ساجن نے ہذیبانی انداز میں چیتنے ہوئے کہا۔  
 "جب تک بولتے رہو گے گنتی بند رہے گی اور اب تو صرف ایک ہندسہ اور ادا ہونا ہے اس کے بعد ٹریگر دب جائے گا۔ پھر تمہاری قسمت کہ تمہیں مزید چانس ملتا بھی ہے یا نہیں"..... صدیقی نے سرد لہجے میں کہا۔

”تم کب سے اس آفتاب سے منسلک ہو..... صدیقی نے پوچھا۔  
 ”طویل عرصہ پہلے میں کاروں کا مسٹری تھا۔ آفتاب احمد کی گاڑیاں  
 درست کرتا تھا۔ اس سلسلے میں آفتاب سے تعلق پیدا ہو گیا اور پھر میں  
 نے ایک گروپ بنالیا اور دہشت گردی کا دھندہ شروع کر دیا۔ لیکن  
 صرف آفتاب کے کہنے پر۔ وہ معاوضہ اس قدر دیتا ہے کہ تم یقین ہی  
 نہیں کر سکتے“..... صاحب نے جواب دیا۔  
 ”کیا پہلے بھی تم نے کبھی بم دھماکے کئے تھے“..... صدیقی نے  
 پوچھا۔

”ہاں دو سال پہلے ہم نے کئی بم دھماکے کئے تھے“..... صاحب نے  
 جواب دیا۔

”اس کے علاوہ“..... صدیقی نے پوچھا۔  
 ”جب بم دھماکے نہیں ہوتے تو ہم آفتاب کے کہنے پر دہشت  
 گردی کی دیگر کارروائیاں کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً بے گناہ افراد کا پر اسرار  
 قتل۔ بازاروں میں اچانک بے دریغ اور اندھا دھند فائرنگ اور اسی  
 قسم کی دوسری کارروائیاں“..... صاحب نے جواب دیا۔  
 ”کیا تم آفتاب کو فون کر کے ہمارے سامنے اس سے اس قسم کی  
 بات کر سکتے ہو جس سے ہمیں یقین آجائے کہ تم نے جو کچھ کہا ہے وہ  
 درست ہے“..... صدیقی نے کہا۔

”پہلے تم وعدہ کرو کہ مجھے وعدہ معاف گواہ بناؤ گے۔ میں تمہیں  
 اس کے سارے گروپس اور اس کے سارے آدمیوں کے بارے میں

پولیس کے حوالے کر دیا ہے اور سردار بہادر خان کا اثر سوخ بھی اپنے  
 آدمی کو چھڑوانے میں ناکام رہا ہے۔ چونکہ میں وہاں گیا تھا اور جانی مجھے  
 جانتا تھا اس لئے باس نے فوری طور پر مجھے اور میرے گروپ کو ان  
 دھماکوں سے آف کر دیا اور دوسرے گروپ جس کا نام نیامت تھا کال  
 کر لیا۔ نیامت اور اس کا گروپ پہلے بھی بم دھماکوں کے سلسلے میں  
 پولیس کو مطلوب تھا اور وہ محفوظ ٹھکانوں پر چھپ گئے تھے۔ یہ  
 دھماکے اس نیامت گروپ نے کئے ہیں۔ میں نے نہیں کئے۔“ صاحب  
 نے پوری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”تمہارا یہ باس کون ہے“..... صدیقی نے ہونٹ چباتے ہوئے  
 پوچھا۔

”تم یقین نہیں کرو گے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہی ہمارا باس  
 ہے۔ اس کا نام آفتاب احمد ہے۔ وہ کمیونٹریزنس کا یہاں کنگ ہے۔  
 بے شمار اداروں کا مالک ہے۔ ڈیلر ہے۔ ویسے وہ بظاہر انتہائی نیک  
 اور معزز آدمی ہے۔ بے شمار فلاحی اداروں کا سرپرست ہے۔ اس کی  
 اپروچ براہ راست صدر مملکت تک ہے“..... صاحب نے جواب دیا تو  
 صدیقی اور اس کے ساتھ کھڑا ہوا نعمانی بھی چونک پڑا۔ کیونکہ آفتاب  
 احمد کا نام وہ اخباروں وغیرہ میں باقاعدگی سے پڑھتے رہتے تھے۔ وہ  
 واقعی انتہائی مخیر اور انتہائی معزز آدمی تھا۔

”کیا تم درست کہہ رہے ہو“..... صدیقی نے کہا۔  
 ”ہاں میں سو فیصد درست کہہ رہا ہوں“..... صاحب نے جواب دیا۔

کے چار خانے تھے۔ جن میں سے اوپر والے تین خانے بڑے بڑے نوٹوں کی گڈیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ کروڑوں روپے کی کرنسی ان میں موجود تھی۔ جب کہ سب سے نچلے خانے میں فائلیں اور کاغذ تھے۔ ساجن نے ایک فائل اٹھائی اور اسے کھول کر اس نے صدیقی کی طرف بڑھا دیا۔ اس میں ایک کاغذ پر ایک آدمی کا فوٹو لگا ہوا تھا جو ایک سرٹیفکیٹ تھا۔

”یہ وہ اصل سرٹیفکیٹ ہے جو نجانے میں نے کتنی دولت دے کر حاصل کیا ہے اور یہ اس آفتاب احمد کے خلاف ایسا ثبوت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا“..... ساجن نے کہا۔ فائل میں ایک ہی کاغذ تھا جس پر فوٹو بھی لگا ہوا تھا اور مہریں بھی لگی ہوئی تھیں۔ یہ ایک سرٹیفکیٹ تھا جو کافرستانی حکومت کی طرف سے جاری شدہ تھا۔ اس کے مطابق پاکستان میں کافرستانی سفارت خانے کو آفتاب احمد جو پاکستان میں ان کا مین ایجنٹ ہے۔ کو ہر قسم کی سہولیات اور رقومات دینے کا پابند کیا گیا تھا۔ سرٹیفکیٹ واقعی کافرستان کے سرکاری کاغذ پر تھا۔ اس پر کافرستان کی ایک خصوصی خفیہ ایجنسی کے چیف کے دستخط اور مہر تھی۔ حکومت کافرستان کی مہر بھی تصدیق کے طور پر موجود تھی۔ فوٹو پر بھی مہریں لگی ہوئی تھیں۔ یہ واقعی ایک ایسا ثبوت تھا جسے جھٹلایا نہ جاسکتا تھا۔

”یہ تم نے کیسے حاصل کر لیا اور وہ بھی اصل“..... صدیقی نے حیران ہو کر کہا۔

بتا دوں گا“..... ساجن نے کہا۔

”بتانے سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ عدالت ثبوت مانگتی ہے۔ اگر تمہارے پاس کوئی ایسا ثبوت ہو جس سے آفتاب احمد کی کارروائیاں ثابت ہو سکیں تو پھر تمہیں وعدہ معاف گواہ بنایا جاسکتا ہے“..... صدیقی نے جواب دیا۔

”ہاں۔ ہاں میں ثبوت دوں گا۔ میں نے اپنے تحفظ کے لئے ایسے ثبوت اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں وہ میرے سیف میں ہیں“۔ ساجن نے کہا۔

”اسے کھول دو نعمانی“..... صدیقی نے کہا اور نعمانی نے آگے بڑھ کر ساجن کی رسیاں کھول دیں تو ساجن اٹھ کر کمرے کی سائیڈ دیوار کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دیوار کے نچلے حصے میں ایک جگہ اپنا دایاں ہاتھ رکھا اور پھر اسی جگہ بائیں ہاتھ رکھا۔ پھر دائیں ہاتھ کو اس نے جیسے ہی دبایا۔ سرسراہٹ کی تیز آواز کے ساتھ ہی دیوار درمیان سے کھل کر سائیڈوں میں غائب ہو گئی اور اب وہاں ایک انتہائی جدید قسم کا سیف ظاہر ہو گیا۔ صدیقی اور نعمانی دونوں بڑے چوکے اور محتاط انداز میں اس کی دونوں سائیڈوں پر کھڑے تھے۔ کیونکہ انہیں خطرہ تھا کہ ساجن کسی بھی وقت بازی پلٹنے کے لئے کوئی بھی حرکت کر سکتا ہے۔ ساجن نے سیف پر بھی اسی طرح سے دایاں پھر بائیں اور پھر دایاں ہاتھ رکھ کر دبایا تو سیف خود بخود کھل گیا۔ صدیقی اور نعمانی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وارڈروب سے بھی بڑے اور کافی گہرے سیف



گھٹاؤ نے جرائم کی سزا بھگتنا پڑے گی۔..... صدیقی نے غزاتے ہوئے کہا اور دوسرے لمحے اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور کا رخ ایک جھٹکے سے ساجن کی طرف کیا اور دوسرے لمحے خوفناک دھماکوں میں ساجن کی چیخیں شامل ہو گئیں گویاں اس کے سینے پر پڑی تھیں اور وہ چند لمحے ترپنے کے بعد ساکت ہو گیا۔

”اس سیف کی تلاشی لینی چاہئے۔ اس میں یقیناً اس کے گینگ کے بارے میں تفصیلات موجود ہوں گی۔..... نعمانی نے کہا تو صدیقی نے اثبات میں سر ہلادیا اور تھوڑی دیر بعد واقعی انہیں سیف سے ایک ایسی فائل مل گئی جس میں ہر اس آدمی کا نام و پتہ موجود تھا جو اس دہشت گردی میں ساجن کا ساتھی تھا۔

”میرا خیال ہے عمران صاحب کو کال کیا جائے تاکہ وہ سوپر فیاض کو بتادیں اور وہ اس گینگ کی گرفتاری پر کام شروع کر دے۔“ صدیقی نے کہا تو نعمانی نے اثبات میں سر ہلادیا اور پھر جیب سے ایک ٹرانسمیٹر نکال کر اس نے اس پر عمران کی مخصوص فریکوئنسی ایڈجسٹ کی اور اس کا بٹن دبا کر کال دینی شروع کر دی۔ یہ ٹرانسمیٹر عمران نے خود فور سٹارز کے لئے تجویز کئے تھے تاکہ فوری رابطے میں آسانی رہ سکے۔

”ہیلو ہیلو چیف آف فور سٹار کالنگ اور۔..... صدیقی نے بار بار فقرہ دوہراتے ہوئے کہا۔

”یس ففٹھ سٹار انڈنگ یو۔ اور۔..... چند لمحوں بعد عمران کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”دولت سے کون سے کام نہیں ہو سکتے۔ یہ میں نے اپنے تحفظ کے لئے حاصل کیا تھا تاکہ اگر کبھی آفتاب احمد نے مجھ سے دغا کرنے کی کوشش کی تو میں اسے بلیک میل کر سکوں لیکن آج تک اس کی نوبت ہی نہ آئی تھی۔..... ساجن نے کہا۔

”اور کچھ۔..... صدیقی نے کہا۔

”اور آفتاب کی گفتگو کی کیٹشیں ہیں جن میں اس نے دہشت گردی کی کئی کارروائیوں کے حکم دیئے ہیں اور تفصیلات بتائی ہیں۔“ ساجن نے اسی خانے کے کونے سے چار کیٹشیں نکال کر دیتے ہوئے کہا۔

”ہو نہہ ٹھیک ہے۔ تم نے واقعی ثبوت مہیا کر دیئے ہیں اس لئے اب تمہیں ہلاک کرنے کی بجائے قانون کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔“ صدیقی نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ بڑھا کر سیف کے اوپر والے خانے سے نوٹوں کا ایک بٹل کھینچ لیا۔ دوسرے لمحے وہ چونک پڑا۔ کیونکہ بٹل پر ایک مقامی بینک کا باقاعدہ تصدیق شدہ کاغذ لگا ہوا تھا۔

”میں سمجھا یہ جعلی کرنسی ہے۔ یہ تو اصلی ہے۔“ صدیقی نے کہا۔

”یہ سب اصلی ہے۔ یہی تو میری کمائی ہے۔ سنو کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم یہ دولت لے لو اور سب کچھ بھول جاؤ میں بھی اکیڑیمیا چلا جاؤں گا۔ مجھے قانون کے حوالے نہ کرو۔..... اچانک ساجن نے کہا۔

”ہو نہہ تو تم اب ہمیں رشوت دینے پر اتر آئے ہو۔ اب تمہیں وعدہ محاف گواہ بنانے والا وعدہ بھی ختم۔ اب تمہیں اپنے مکروہ اور

یہی کہا تھا کہ ان دو ہم دھماکوں میں نیامت اور اس کا گروپ ملوث ہے اور..... صدیقی نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”ہاں نیامت کو اس کارروائی کی رپورٹ مل گئی تھی جو ہم نے ماسٹر احسان کے ساتھ کی تھی۔ اس کے آدمی ٹائیگر کو جلتے تھے۔ چنانچہ مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے اس نیامت نے اپنے آدمیوں کے ذریعے ٹائیگر کو اغوا کر لیا اور اسے شہر سے باہر اپنے ایک خفیہ اڈے میں پہنچا دیا۔ جہاں نیامت اس سے پوچھ گچھ کے لئے گیا۔ لیکن ٹائیگر نے سچویشن بدل دی اور پھر نیامت کے ساتھی کو تو اس نے ہلاک کر دیا البتہ نیامت کو وہ اپنے ساتھ رانا ہاؤس لے آیا۔ یہاں میں نے اس سے تفصیلی پوچھ گچھ کی ہے تو اس نے ان دو دھماکوں میں ملوث ہونے کا بھی اقرار کر لیا ہے اور اپنے ساتھیوں کے بارے میں بھی تفصیلات بتا دی ہیں اس نے بھی باس کے طور پر آفتاب احمد کا ہی نام لیا ہے مین اس کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ اتنے میں تمہاری کال آ گئی اور..... عمران نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔

”گذا اس کا مطلب ہے کہ یہ دونوں دہشت گرد گینگ ہی قابو میں آ گئے ہیں اور..... صدیقی نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

”ہاں۔ لیکن اصل بات اس ثبوت کی ہے جو ثبوت تم نے بتایا ہے وہ واقعی اس آفتاب کو پھانسی کے پھندے تک پہنچانے کے لئے کافی ہے اور..... عمران نے جواب دیا۔

”عمران صاحب اس ساجن کے سیف میں بے پناہ دولت بھری

”پہلے آپ تو سپر سٹار تھے اب ففٹھ سٹار کیسے بن گئے اور.....“ صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”سپر سٹار ٹاپ سٹار پر تمہیں اعتراض تھا۔ اس لئے اب میں ففٹھ کالم کی طرح ففٹھ سٹار ہوں۔ جانتے ہو ففٹھ کالم کے کہتے ہیں اور..... دوسری طرف سے عمران کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”ہاں ففٹھ کالم فوج کے اس شعبے کو کہا جاتا ہے جو فوج سے ہٹ کر ایسی کارروائیاں کرتا ہے جس سے دشمن کے کیمپ میں مایوسی اور بد ولی پھیل جاتی ہے اور.....“ صدیقی نے کہا۔

”لیکن تم فکر نہ کرو ففٹھ سٹار فور سٹار کے کیمپ میں مایوسی نہ پھیلنے دے گا۔ بہر حال بولو کس لئے کال کی ہے اور.....“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا تو صدیقی نے اسے ساجن کے بارے میں اب تک ہونے والی تمام کارروائی کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا۔

”اس کا مطلب ہے کہ نیامت نے درست بتایا تھا۔ لیکن مجھے یقین نہ آ رہا تھا ویسے اس نیامت کے پاس کوئی ثبوت بھی نہ تھا۔ لیکن ساجن نے تمہیں ثبوت مہیا کر دیا ہے اوکے۔ ایسا کرو کہ ثبوت والی فائل اور اس کے ساتھ ساجن کے اس گینگ والی فائل اپنے ساتھ لے کر یہاں رانا ہاؤس آجاؤ۔ پھر میں گینگ والی فائل فیاض کو بھجوا دوں گا اور اسے ساجن کے بارے میں بریف کر دوں گا اور.....“ عمران نے اس بار انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”تو کیا وہ نیامت آپ کے ہاتھ لگ چکا ہے۔ اس ساجن نے بھی

ہوئی ہے۔ بینک گارنٹینڈ نوٹ ہیں۔ کروڑوں روپے ہوں گے اس کا کیا کرنا ہے اور..... صدیقی نے کہا۔

”اوہ اسے وہاں مت چھوڑو۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ سوپر فیاض کی نیت ڈانواں ڈول ہو جائے۔ اسے ساتھ لے آؤ۔ یہ دولت ان خاندانوں کے کام آئے گی جن کے آدمی ان بم دھماکوں اور اس سے پہلے دہشت گردوں کا شکار ہوئے ہیں۔ اس کا صحیح مصرف یہی ہے۔ اور..... عمران نے کہا۔

”ٹھیک ہے ہم اسے کار کی ڈنگی میں بھر کر لے آتے ہیں۔ اور اینڈ آل..... صدیقی نے کہا اور ٹرانسمیٹر آف کر کے اس نے اسے جیب میں واپس رکھ دیا۔

فیاض سر عبدالرحمن کے دفتر میں ان کے میز کی سائیڈ والی کرسی پر بڑے مؤدبانہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ سر عبدالرحمن سلسلے رکھی ہوئی ایک فائل کے مطالعے میں مصروف تھے اور ان کے چہرے پر خلاف معمول مسرت کے تاثرات نمایاں تھے۔

”گلد تم نے واقعی حیرت انگیز کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے فیاض۔ میں سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ تم اس طرح یکفخت ملک میں ہونے والے نہ صرف ان بم دھماکوں بلکہ اس سے پہلے ہونے والی دہشت گردی کی کارروائیوں کا اس طرح نہ صرف سراغ لگا لو گے بلکہ اس طرح تمام بلاسٹرز کو بھی گرفتار کر لو گے۔ اس سے پہلے منشیات کے کیس میں بھی تم نے حیرت انگیز کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس لحاظ سے تو مجھے تم پر فخر ہے کہ تم نے محکمے کا نام اونچا کر دیا ہے۔ صدر مملکت تک نے بھی تمہاری کارکردگی کی تعریف کی ہے لیکن یہ بات میری سمجھ میں

”تم جانتے ہو کہ یہ آفتاب احمد کون ہے“..... سر عبدالرحمن نے ہونٹ پھینچتے ہوئے کہا۔

”یس سر میں نے اس کے بارے میں تحقیقات کرائی ہیں۔ بظاہر وہ ایک بہت بڑا بزنس مین ہے۔ کمپیوٹر بزنس کا کنگ کہلاتا ہے۔ بظاہر انتہائی معزز آدمی ہے۔ بڑے بڑے لوگوں سے اس کے تعلقات ہیں۔ بے شمار فلاحی اداروں کا سرپرست ہے“..... فیاض نے روبرو کے سے انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

”تو پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ ایک مجرم کے بیان پر اور وہ بیان جو اس نے تمہاری تحویل کے دوران دیا ہے۔ کسی عدالت میں اپنی آزادانہ رضامندی سے نہیں دیا۔ میں آفتاب احمد کو گرفتار کر لوں اور وہ نیامت بھی اب مرچکا ہے کہ اسے عدالت میں پیش کر کے اس سے بیان لیا جائے۔ کیا عدالت اس بیان پر یقین کر لے گی بولو“..... سر عبدالرحمن کے لہجے میں آہستہ آہستہ غصہ ظاہر ہوتا جا رہا تھا۔

”سر..... وہ..... وہ..... سر.....“ فیاض نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا لیکن اس کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا تھا۔ وہ اب سر عبدالرحمن کو کیسے کہہ دیتا کہ عمران نے اسے بتایا ہے۔

”کیا سر۔ سر نگار کھی ہے۔ ثبوت دو کہاں ہے ثبوت کہ آفتاب احمد ان دہشت گردوں کا سرغنہ ہے“..... سر عبدالرحمن کا غصہ اب عروج پر پہنچ گیا تھا۔

”سر ثبوت تو کوئی نہیں ہے“..... آخر کار فیاض نے مردہ سے لہجے

نہیں آرہی کہ اچانک تمہاری کارکردگی کیسے اس قدر عروج پر پہنچ گئی ہے۔ سچ بتاؤ کہ کیا تمہیں اس بارے میں کون سپورٹ کر رہا ہے“..... سر عبدالرحمن نے فائل سے سر اٹھا کر فیاض کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”سر میں خاموشی سے کام کرنے کا عادی ہوں۔ میں ڈینگیں مارنے کا قاتل نہیں ہوں۔ جب میرا کام مکمل ہوتا ہے تو نتائج خود بخود سب کے سامنے آجاتے ہیں“..... فیاض نے کھڑے ہو کر بڑے مودبانہ لہجے میں کہا تو سر عبدالرحمن کے چہرے پر موجود مسرت کے تاثرات میں اور اضافہ ہو گیا۔

”گڈ بیٹھو۔ مجھے تم پر فخر ہے۔ تم نے واقعی سنٹرل انٹیلی جنس کی کارکردگی کو دہاں تک پہنچا دیا ہے جہاں میں اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ گڈ شو“..... سر عبدالرحمن نے واقعی بڑے فخر بھرے لہجے میں کہا۔

”شکریہ سر۔ آپ کی یہ تعریف میرے لئے اعزاز ہے سر“..... فیاض نے جواب دیا اور دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

”لیکن تم نے اپنی رپورٹ میں یہ لکھا ہے کہ ان بلاسٹرز گروہوں کا اصل سرغنہ آفتاب احمد ہے۔ بزنس مین آفتاب احمد۔ کیا یہ بات درست ہے“..... سر عبدالرحمن نے کہا۔

”یس سر۔ نیامت کا بیان میں نے ریکارڈ کیا ہے۔ وہ فائل میں موجود ہے سر۔ میں اس لئے حاضر ہوا تھا کہ آپ سے اس کی گرفتاری کی اجازت لے لوں“..... فیاض نے جواب دیا۔

میں کہا۔

"کل اگر تم کسی مجرم کا بیان لے کر آ جاؤ کہ اس مجرم کے مطابق صدر مملکت جرم کے کسی گروہ کے سرغنہ ہیں تو کیا میں انہیں گرفتار کر لوں گا بولو۔ جواب دو"..... سر عبدالرحمن نے غصے سے دھاڑتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سس۔ ساری سر"..... فیاض نے اب عافیت اس میں دیکھی تھی کہ وہ فوراً معذرت کر لے۔

"ٹانسنس۔ احمق۔ تمہارے دماغ میں عقل کی بجائے بھوسہ بھرا ہوا ہے۔ جاؤ دفع ہو جاؤ اور کوئی ثبوت لے کر آؤ جاؤ"..... سر عبدالرحمن نے غصے سے دھاڑتے ہوئے کہا اور فیاض نے جلدی سے سیلوٹ کیا اور تیزی سے دروازے کی طرف مڑ گیا۔

"رک جاؤ"..... اچانک سر عبدالرحمن نے تیز لہجے میں کہا تو فیاض جلدی سے مڑ گیا۔

"ادھر آؤ"..... سر عبدالرحمن نے کہا تو فیاض اس طرح ان کی طرف بڑھا جیسے کوئی شرارتی بچہ کسی سخت گیر استاد کے بلانے پر اس کی طرف جاتا ہے۔

"بیٹھو"..... سر عبدالرحمن نے کہا تو فیاض خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ آفتاب احمد واقعی سرغنہ ہیں"..... سر عبدالرحمن نے کہا۔

"سر اس نیامت نے بتایا تھا"..... فیاض نے جواب دیا۔

"تم نے اس سے کوئی ثبوت کیوں نہیں مانگا تھا"..... سر عبدالرحمن نے پوچھا۔

"سر اس بیان کے بعد میں نے اس سے ثبوت مانگا تھا۔ لیکن پھر اچانک اس پر دل کا شدید دورہ پڑ گیا۔ اس کی حالت کے پیش نظر میں نے جلدی جلدی اس کا بیان لکھا اور پھر اسے ہسپتال لے گیا لیکن وہ ہسپتال جا کر ہلاک ہو گیا"..... فیاض نے جواب دیا۔

"ہونہہ لیکن بغیر ثبوت کے اسے کیسے گرفتار کیا جائے"..... سر عبدالرحمن نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"سر باقاعدہ گرفتاری بعد میں بھی ڈالی جاسکتی ہے۔ اسے ویسے یہاں لے آتے ہیں۔ وہ خود ہی اقرار کر لے گا"..... فیاض نے ڈرتے ڈرتے کہا تو سر عبدالرحمن بے اختیار چونک پڑے۔

"کیا۔ کیا۔ یہ تم کہہ رہے ہو۔ تم سپرنٹنڈنٹ۔ تم یہ کہہ رہے ہو کہ کسی کو غیر قانونی طور پر پکڑ لیا جائے۔ آفتاب احمد کو تو چھوڑو۔ وہ تو معزز آدمی ہے۔ کیا کسی عام آدمی کو بھی اس طرح پکڑا جاسکتا ہے۔ بولو۔ تم نے یہ بات سوچی کیسے۔ بولو۔ تم جیسا آدمی تو اس قابل ہی نہیں ہے کہ کسی سرکاری عہدے پر فائز ہو سکے"..... سر عبدالرحمن نے انتہائی غصے سے دھاڑتے ہوئے کہا اور فیاض کا جسم بے اختیار کانپنے لگ گیا۔

"سس۔ سس۔ ساری سر۔ مم۔ مم میں نے تو صرف ایک رائے

لاحتم بتاؤ۔ یہ تمہاری کنٹین والے تم پر ایک مشروب کی بوتل کا بھی لٹاؤ نہیں کرتے۔..... عمران نے کہا۔

”لعت بھیجو مشروب پر اور کنٹین پر اور ساتھ ہی مجھ پر بھی۔“  
 فیاض نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اتھائی جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔  
 ”تم پر تو بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں ہے جہاں پہلے سے نہ ہو وہاں کوئی چیز بھیجی جاتی ہے اور جہاں پہلے سے ہی کسی چیز کے ڈھیر موجود ہوں وہاں اسے بھیجنے کی کیا ضرورت ہے۔“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا کیا بھیجنے کی۔ کیا کہہ رہے ہو۔“..... فیاض نے چونک کر کہا۔  
 اسے شاید یاد بھی نہ تھا کہ جھلاہٹ میں اس نے کیا کہا ہے۔  
 ”تمہیں ہوا کیا ہے۔ یہ تمہاری کیا کیفیت ہو رہی ہے۔ تم تو ڈیڈی کے دفتر گئے ہوئے تھے۔“..... عمران نے اس بار بڑے دوستانہ لہجے میں کہا۔

”جی چاہتا ہے۔ خود کشی کر لوں۔ لیکن۔“..... فیاض نے ہونٹ ہینچتے ہوئے کہا۔

”لیکن پھر مختلف بنکوں میں پڑے ہوئے نوٹوں کے ڈھیر نظر آ جاتے ہوں گے۔ کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں۔“..... عمران نے کہا۔  
 ”تم مجھے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔ پلیز۔ تم یہاں سے جا نہیں سکتے۔“..... فیاض نے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر پکڑتے ہوئے تقریباً رو دینے والے لہجے میں کہا۔ وہ عمران سے اس لئے سخت لہجے میں بات نہ کر

دی تھی سر۔..... فیاض نے واقعی خوف سے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔  
 ”دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ نکل جاؤ اگر تم نے اس کارکردگی کا مظاہرہ نہ کیا ہوتا تو میں تمہیں ابھی معطل کر دیتا۔ گٹ آؤٹ۔“..... سر عبدالرحمن نے غصے کی شدت سے چختے ہوئے کہا اور فیاض اس طرح بیرونی دروازے کی طرف دوڑا جیسے اس کے پیچھے بھوکے بھیدیں لگ گئے ہوں۔ لیکن دفتر سے باہر نکلتے ہی اس نے دوڑنا بند کر دیا لیکن دروازے کے باہر موجود چڑاسی نے اسے جن نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ نظریں اس کے ذہن پر جیسے چپک سی گئی تھیں۔ اب اسے اپنے آپ پر شدید غصہ آ رہا تھا۔

”ہو نہہ لعت ہے اس نوکری پر۔ جہاں آدمی کی سرے سے کوئی عزت ہی نہ ہو۔“..... فیاض نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور اپنے دفتر میں داخل ہو گیا۔

”ارے ارے کیا ہوا۔ یہ تمہارے چہرے کو کیا ہوا۔ اس پر تو دن کے بارہ نہیں بلکہ رات کے بارہ بج رہے ہیں۔ کیا ہوا کیا ڈیڈی نے پٹائی تو نہیں کر دی۔“..... کرسی پر بیٹھے ہوئے عمران نے چونک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تم۔ تم یہاں۔“..... فیاض نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

”ہاں کافی دیر سے بیٹھا ہوں۔ ایک تو تم نے چڑاسی ہی ایسا رک رکھا ہے کہ اسے کہو کہ کوئی مشروب لے آؤ تو کہتا ہے پیسے دو۔ اب

رہا تھا کہ جس کارکردگی کی شہرت پورے ملک میں پھیل چکی تھی اس کی بنیاد عمران ہی تھا اور اسے عمران کی طبیعت اور فطرت سے اچھی طرح آگاہی تھی کہ اگر اس نے عمران سے کوئی سخت بات کی تو وہ ایک لمحے میں ساری بازی پلٹ بھی سکتا ہے۔ اس لئے باوجود چاہنے کے وہ نجانے کس طرح اپنے آپ کو کنٹرول کئے ہوئے تھا۔ ورنہ اس کا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ جس طرح سر عبدالرحمن نے اسے کمرے سے نکل جانے کا کہا ہے اسی طرح وہ عمران کو بھی باہر نکال دے۔ لیکن ظاہر ہے باوجود جذباتی ہونے کے اس میں بہر حال اتنی عقل تو موجود ہی تھی کہ اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ اسے واقعی خود کشی کرنی پڑ جائے گی۔

”آخر ہوا کیا ہے کچھ بتاؤ تو ہسی“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تمہاری ڈیڈی نے پہلے میری تعریف کی اور پھر مجھے بے عزت کر کے دفتر سے نکال دیا۔ تم خود سوچو عمران۔ میں سپرنٹنڈنٹ ہوں تمہارے ڈیڈی کا ذاتی ملازم تو نہیں ہوں کہ وہ جب جی چاہیں مجھے بے عزت کر دیں جب جی چاہے مسکرا کر بات کر لیں۔ آخر میرا بھی تو کوئی سٹینش کوئی عزت ہے“..... فیاض نے آخر کار پھٹ پڑنے والے لہجے میں کہا۔

”تو اس میں رونے والی کون سی بات ہے۔ جیسے سرکاری ملازم ڈیڈی ہیں ویسے ہی تم بھی ہو۔ جا کر تم بھی انہیں کھری کھری سنا دو۔ کیا بگاڑ لیں گے وہ تمہارا زیادہ سے زیادہ معطل کر دیں گے۔ تو کیا ہوا

تم عدالت میں چلے جانا“..... عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”کاش میں ایسا کر سکتا“..... فیاض نے ایک طویل اور حسرت بھرا سانس لیتے ہوئے کہا اور عمران نے اختیار مسکرا دیا۔

”لیکن کوئی وجہ تو ہوگی بے عزت کرنے کی“..... عمران نے کہا۔

”وجہ وہی نامراد آفتاب احمد بنا ہے۔ تم نے بتایا تھا کہ آفتاب احمد دہشت گردی کے اس گروہ کا اصل سرغنہ ہے۔ نیامت نے بھی یہی بیان دیا تھا پھر اچانک نیامت پر دل کا دورہ پڑا۔ اسے ہسپتال لے جایا جا رہا تھا کہ وہ مر گیا۔ میں نے اس کے بیان کی بنیاد پر تمہارے ڈیڈی سے درخواست کی وہ آفتاب احمد کی گرفتاری کی اجازت دیں۔ بس اس بات پر وہ اکھڑ گئے کہ کیا کسی مجرم کے ایسے بیان پر جو اس نے عدالت میں بھی نہ دیا ہو اور مر بھی گیا ہو۔ کس طرح ایک معزز آدمی کو گرفتار کیا جاسکتا ہے“..... فیاض نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا چونکہ اس کے دل کا غبار کسی حد تک نکل گیا تھا اس لئے وہ اب اپنے آپ کو خاصا نارمل محسوس کر رہا تھا۔

”بات تو ٹھیک ہے۔ بغیر ثبوت کے تو اسے واقعی گرفتار نہیں کیا جاسکتا ورنہ اس کے وکلاء عدالت میں درخواست دے دیں گے اور عدالت اسے چھوڑ دے گی اور پھر تمہاری ڈیڈی کی اور سارے محکمے کی کم بختی آجائے گی۔ پریس اور عوام نے شور مچا دینا ہے“..... عمران نے کہا۔

”ہاں بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن کیا یہی بات آرام سے نہیں کی جا

کریں یہ بیچارہ اب مفلس اور قلاش ہو چکا ہے۔ اب صرف اس کے  
منزل بنک کے سپیشل اکاؤنٹ میں پچاس لاکھ روپے رہ گئے ہیں اور  
اسی بنک سبزی منڈی برانچ میں چالیس لاکھ اور..... "عمران نے کہنا  
شروع کر دیا۔

"بس۔ بس۔ تم سے خدا سمجھے۔ تم آدمی ہو یا جن۔ آخر تمہیں ان  
سب باتوں کا کیسے پتہ چل جاتا ہے....." فیاض نے رو دینے والے  
لہجے میں کہا۔

"میری ناک دولت کے سلسلے میں بے حد حساس واقع ہوئی ہے  
اور خاص طور پر تمہاری دولت کیونکہ یہ دولت پڑے پڑے سڑتی رہتی  
ہے اس لئے اس کی بو دور دور تک پھیل جاتی ہے....." عمران نے  
مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم میری جان نہیں چھوڑ سکتے۔ کسی بھی طرح....." فیاض نے  
زچہ ہوتے ہوئے کہا۔

"اوہ تمہارا مطلب ہے کہ میں تمہیں جو عورت دلانا چاہتا تھا اور جس  
کے لئے میں یہاں آیا تھا وہ کسی اور کے کھاتے میں ڈالوا دوں۔ او  
کے....." عمران نے کہا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے ارے یہ ٹھوہیٹھو۔ ارے تم تو خواہ مخواہ ناراض ہو جاتے ہو  
تم تو میرے دوست ہو۔ میرے بھائی ہو۔ میرے محسن ہو۔" فیاض  
نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم تو کہہ رہے ہو کہ میں تمہاری جان چھوڑ دوں۔" عمران

سکتی....." فیاض کو ایک بار پھر غصہ آگیا۔

"ڈیڈی کو غصہ اس بات پر آیا ہو گا کہ تم جیسا قابل عقلمند جہاں  
دیدہ سپرنٹنڈنٹ ایسی بات کر رہا ہے....." عمران نے کہا تو سو پر  
فیاض کی آنکھوں میں یلخت چمک آگئی۔

"تم تو بہر حال میرے دوست ہو۔ اس لئے تم تو مجھے سمجھتے ہو۔  
لیکن تمہارے ڈیڈی مجھے احمق ہی سمجھتے ہیں....." فیاض نے منہ  
بناتے ہوئے کہا اور عمران بے اختیار ہنس پڑا۔

"اصل بات یہ ہے کہ اب تم اسم بامسکئی نہیں رہے....." عمران  
نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب....." فیاض نے چونک کر کہا۔

"مطلب ہے کہ تمہارا نام فیاض ہے لیکن تم نے فیاضی کی بجائے  
کنجوسی شروع کر دی ہے۔ حالانکہ فیاض کو فیاضی سے کام لینا چاہیے۔"  
عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بس۔ بس۔ پہلے ہی اس ساری کارکردگی کے چکر میں تم مجھ سے  
میری ساری جمع پونجی لوٹ چکے ہو۔ اب میرے پاس کچھ نہیں  
ہے....." فیاض نے عصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا واقعی....." عمران نے کہا۔

"ہاں ہاں میں درست کہہ رہا ہوں....." فیاض نے اسے یقین  
دلاتے ہوئے کہا۔

"او کیے۔ پھر میں ڈیڈی کو فون کر دیتا ہوں کہ فیاض کو یہ ڈانٹا



”جب میں کہہ رہا ہوں کہ ثبوت تمہیں بعد میں مہیا کر دیا جائے گا تو کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے“..... عمران نے کہا۔  
 ”اعتماد تو ہے۔ لیکن۔ نہیں سوری عمران میں یہ رسک نہیں لے سکتا“..... آخر کار فیاض نے فیصلہ کن لہجے میں کہا کیونکہ واقعی اس کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔

”ٹھیک ہے پھر بیٹھے رہو یہیں۔ کل کے اخبارات میں جب تمہارے ٹکڑے کسی انسپکٹر کی شہ سرخیاں چھپیں گی کہ اس نے سرغنہ کو گرفتار کر لیا تو پھر مجھے کوئی شکایت نہ کرنا“..... عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا اور کرسی سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔  
 ”ٹھہر رو رک جاؤ۔ میں اسے گرفتار کر دوں گا ٹھیک ہے جو ہو گا دیکھا جائے گا“..... فیاض نے اچانک کہا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔  
 ”یہ ہوئی نامردوں والی بات۔ لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ جب وقت آئے گا تو میں تمہیں فون کر دوں گا۔ تم فوراً چلے آنا۔“  
 عمران نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

نے ناراض سے لہجے میں کہا۔

”وہ۔ وہ۔ بس۔ یہ میری زبان دراصل میرے قابو میں نہیں رہتی تم کسی عورت کی بات کر رہے تھے“..... فیاض نے جلدی سے کہا۔  
 ”اسی آفتاب احمد کی گرفتاری کی“..... عمران نے کہا تو فیاض بے اختیار کرسی سے اچھل پڑا۔

”کیا۔ کیا مطلب کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے اس کے خلاف“..... فیاض نے انتہائی اشتیاق بھرے لہجے میں کہا۔  
 ”ثبوت کا مسئلہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ تم اسے گرفتار کرو۔ تاکہ ڈیڈی کو پتہ چل سکے کہ فیاض اب اتنا بھی گیا گزرا نہیں ہے کہ بغیر کسی ثبوت کے وہ کسی کو گرفتار بھی نہ کر سکے۔  
 آخر وہ سپرنٹنڈنٹ ہے۔ کوئی گھسیارہ تو نہیں ہے“..... عمران نے کہا۔  
 ”نہیں۔ میں بغیر ثبوت کے اسے گرفتار نہیں کر سکتا۔ ورنہ تمہارے ڈیڈی واقعی تجھے گولی مار دیں گے“..... فیاض نے فوراً ہی کہا۔

”تو ٹھیک ہے مت گرفتار کرو۔ اسی لئے تو کہہ رہا تھا کہ یہ عورت کسی اور کے کھاتے میں چلی جائے گی۔ سارے گینگ کی گرفتاری ایک طرف اور سرغنہ کی گرفتاری ایک طرف اور سرغنہ بھی آفتاب احمد جیسا“..... عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”لیکن۔ بغیر ثبوت کے۔ آخر“..... فیاض واقعی ذہنی طور پر بری طرح الجھ گیا تھا۔

”ارے نہیں مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتے۔ ویسے تمہارا وہ ڈیکوریشن واقعی بہترین آدمی ہے۔ وہ ایسی شاہانہ انداز میں ڈیکوریشن کرتا ہے کہ تقریب میں شامل ہونے والوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں..... بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اصل میں آج کی تقریب میں صدر مملکت نے بھی شامل ہونے کا وعدہ کیا ہے۔ ہر بار اتفاق ایسا ہوتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی سرکاری دورے کے سلسلے میں ملک سے باہر ہوتے تھے۔ لیکن اس بار وہ یہیں ہیں اور ان کی آمد کی وجہ سے ظاہر ہے اعلیٰ ترین سرکاری افسران۔ فوجی افسران، اور تقریباً تمام سفارت کار بھی اس تقریب میں شریک ہوں گے اس لئے میں چاہتا تھا کہ اس بار کوٹھی کی ڈیکوریشن ایسی ہو کہ سب لوگ دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں اور تمہارا ذوق اس قدر بلند ہے کہ مجھے یقین ہے کہ اگر تم خود اپنی نگرانی میں یہ سارا کام کراؤ تو مجھے اطمینان رہے گا۔“ آفتاب احمد نے کہا۔

”نہیں آج ایک خصوصی فنکشن ہے اور یہاں دارالحکومت میں نہیں ہے۔ باہر ہے اور میری اس میں شرکت لازمی ہے۔ البتہ میں کوشش کروں گی کہ شام کو جلدی آجاؤں۔“ بیگم نے کہا۔

”او کے خیال رکھنا آجانا۔ ایسا نہ ہو کہ خالی دوپہا ہی شادی کی تقریب میں مبارکبادیں وصول کرتا رہ جائے۔“ آفتاب احمد نے کہا اور بیگم بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”تم فکر نہ کرو تم سے زیادہ میں اس تقریب کی اہمیت سمجھتی

”آج تمہارا کیا پروگرام ہے بیگم؟“..... آفتاب احمد نے ساتھ بیٹھی ہوئی اپنی بیگم سے مخاطب ہو کر کہا۔ وہ دونوں اس وقت ڈائنگ ٹیبل پر بیٹھے ناشتے میں مصروف تھے اور یہ ایک ایسا وقت ہوتا تھا جب وہ دونوں بہر حال لازماً اکٹھے ہو جاتے تھے۔

”کیوں آج کوئی خاص بات ہے؟“..... بیگم نے چونک کر پوچھا۔

”تو ہماری شادی کی سالگرہ کی تقریب تمہارے نزدیک خاص بات ہی نہیں ہے؟“..... آفتاب احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوہ۔ اوہ۔ ہاں واقعی بہت خاص بات ہے۔ لیکن یہ تقریب تو رات کو ہے۔“..... بیگم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”میں دراصل سوچ رہا تھا کہ تم آج کوٹھی کی سجاوٹ اپنی نگرانی میں کراؤ۔“..... آفتاب احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کافرستانی سفارت خانہ“ رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

”آفتاب احمد بول رہا ہوں۔ سینڈ سیکرٹری رامیش سے بات کراؤ۔“ آفتاب احمد نے تیز لہجے میں کہا۔

”یس سر ہو لڈان کریں..... دوسری طرف سے کہا گیا۔“  
”ہیلو رامیش بول رہا ہوں..... چند لمحوں بعد ایک مردانہ سنائی دی۔“

”آفتاب احمد بول رہا ہوں رامیش یہ آج اخبارات میں کیا چھپا ہوا ہے۔ یہ سب کس طرح ہو گیا.....“ آفتاب احمد کے لہجے میں شدید حیرت نمایاں تھی۔

”کیا آپ محفوظ فون سے بات کر رہے ہیں..... دوسری طرف سے کہا گیا۔“

”ہاں فکر مت کرو۔ اتنی بات تو میں بھی سمجھتا ہوں.....“ آفتاب احمد نے کہا۔

”آفتاب صاحب بظاہر تو یہ کارروائی سنٹرل انٹیلی جنس کی ہے اور سپرنٹنڈنٹ فیاض کی نگرانی میں ہوئی ہے۔ لیکن میرے آدمیوں نے کھوج نکالیا ہے۔ یہ کارروائی یہاں کے کسی مقامی گروپ فور سٹارز کی طرف سے کی گئی ہے۔ آخر میں کیس سنٹرل انٹیلی جنس کو ریفر کر دیا گیا ہے اور ان فور سٹارز کے ساتھ اصل آدمی پاکیشیا سیکرٹ سروس کا سب سے خوفناک ایجنٹ علی عمران ہے۔ وہ اس گروپ کا ممبر تو نہیں

ہوں.....“ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا اور آفتاب احمد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بیگم تیز تیز قدم اٹھاتی ایک راہداری میں مڑ گئی تو آفتاب احمد اٹھے اور عقبی لان کی طرف بڑھ گئے۔ جہاں اسے محسوس تھا کہ آج کی اخبارات کا ہینڈل موجود ہوگا۔ لان میں دو کرسیاں اور درمیان میں میز رکھی ہوئی تھی۔ میز پر اخبارات کے بڑے سے ہینڈل کے ساتھ ساتھ کارڈلیس فون بھی موجود تھا۔ آفتاب احمد کرسی پر بیٹھے اور انہوں نے ہینڈل کے سب سے اوپر والا اخبار اٹھایا اور اسے کھول کر سیدھا کیا ہی تھا کہ بے اختیار اس طرح اچھل کر کھڑے ہو گئے جیسے کرسی میں اچانک کرنٹ آگیا ہو۔ ان کا چہرہ یکفخت انتہائی زرد پڑ گیا تھا۔ آنکھیں پھٹ سی گئی تھیں۔ اس کی نظریں اخبار کی شہ سرنخی پر جمی ہوئی تھیں۔  
”یہ۔ یہ۔ کیسے ہو گیا۔ یہ۔ یہ.....“ نیامت۔ ساجن یہ ان دونوں کے گروپ یہ سب کیسے ہو گیا۔ یہ.....“ آفتاب احمد کے منہ سے نکلا اور دوسرے لمحے وہ کرسی پر جیسے ڈھیر سے ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے تیزی سے خبر پڑھنی شروع کر دی۔ ایک کے بعد انہوں نے دوسرا اخبار اٹھایا سارے اخبار ہی انہی خبروں اور تصویروں سے بھرے ہوئے تھے۔

”سنٹرل انٹیلی جنس نے کارروائی کی ہے۔ مگر کیسے۔ یہ کیسے ممکن ہے.....“ آفتاب احمد نے انتہائی حیرت بھرے لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے جھپٹ کر فون پیس اٹھایا اور اس کا بٹن دبا کر انہوں نے جلدی سے نمبر پر پریس کرنے شروع کر دیے۔

احق سانو جوان ہے لیکن جو لوگ اسے جانتے ہیں انہیں پتہ ہے کہ وہ دراصل کیا ہے۔ وہ پاکیشیا سیکرٹ سروس کے لئے کام کرتا ہے اور دنیا کا خطرناک ترین سیکرٹ ایجنٹ سمجھا جاتا ہے۔ ریش نے جواب دیا۔

”کیا وہ ہمیں دارالحکومت میں رہتا ہے؟“ آفتاب احمد نے پوچھا۔  
”ہاں کیوں۔ آپ نے یہ بات کیوں پوچھی ہے؟“ دوسری طرف سے چونک کر پوچھا گیا۔

”اگر یہ آدمی دارالحکومت میں رہتا ہے تو میں اس کا ایک لمحے میں خاتمہ کرادوں گا۔“ آفتاب احمد نے کہا تو دوسری طرف سے ریش بے اختیار ہنس پڑا۔

”اس کا مطلب ہے کہ آپ اپنی قبر خود کھودنا چاہتے ہیں؟“ ریش نے کہا۔

”اس میں ایسی کیا بات ہے۔ اس سے پہلے بھی ہزاروں آدمی میرے اشارے پر ہلاک ہو چکے ہیں۔“ آفتاب احمد نے تلخ لہجے میں کہا۔

”آفتاب صاحب بس یہی دعا کرتے رہیں کہ اس عمران کو آپ کے خلاف کوئی ثبوت نہ مل جائے۔ اگر آپ نے خود اسے چھیننے کی کوشش کی تو پھر یقیناً آپ قبر میں اتر جائیں گے۔ آپ نے شاید اسے دارالحکومت کا کوئی عام آدمی سمجھ لیا ہے۔ اس کے خاتمے کے لئے ایکریما، روسیہ، کافرستان اور دوسری سپرپاورز کے انتہائی ٹاپ ایجنٹ

ہے لیکن ان کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے۔ میں نے رپورٹ اوپر بھجوا دی ہے۔ مجھے سب سے زیادہ خطرہ اس بات کا ہے کہ کہیں آپ کو اس چکر میں ملوث نہ کر دیا جائے۔ کیونکہ جو لوگ گرفتار ہوئے ہیں ان کی ہمیں فکر نہیں ہے۔ معاوضہ دے کر ایسے اور سینکڑوں آدمی ہار کئے جا سکتے ہیں لیکن اگر آپ ان کے ہاتھ لگ گئے تو پھر یہ ساری کارروائی لامحالہ کافرستان کی بن جائے گی اور اس طرح کافرستان پوری دنیا میں بدنام بھی ہو جائے گا اور اس سے بین الاقوامی پیچیدگیاں بھی پیدا ہو جائیں گی۔“ ریش نے کہا تو آفتاب احمد کا دل بے اختیار دھک دھک کرنے لگا۔

”کیا۔ کیا مطلب میرا نام اس چکر میں کیسے آسکتا ہے؟“ آفتاب احمد نے ہونٹ جباتے ہوئے کہا۔

”ہمیں معلوم ہے آفتاب صاحب کہ آپ کی جو پوزیشن ہے۔ اس لحاظ سے آپ پر بغیر کسی انتہائی ٹھوس ثبوت کے ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا اور آپ ہمیشہ محتاط رہتے ہیں۔ اس لئے چلے وہ لاکھ سرچنگ لیں انہیں آپ کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل سکتا لیکن اصل بات اس علی عمران کی ہے۔ وہ انتہائی خطرناک حد تک شاطر آدمی ہے۔“ ریش نے جواب دیا۔

”علی عمران آخر ہے کون جس سے تم اس قدر خوفزدہ ہو؟“ آفتاب احمد نے کہا۔

”وہ سنٹرل انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل کا لڑکا ہے۔ بظاہر ایک

”راٹھور بول رہا ہوں۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔  
 ”اوہ۔ اوہ جناب آپ“..... آفتاب احمد نے قدرے بوکھلائے  
 ہوئے لہجے میں کہا۔

”مجھے رپورٹ مل چکی ہے کہ ساجن اور نیامت کے دونوں گروہ  
 گرفتار ہو گئے ہیں اور پاکیشیا سکیٹ سروس کے آدمی علی عمران نے  
 کسی پرائیویٹ گروپ سے مل کر یہ ساری کارروائی کی ہے۔ لیکن  
 تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم پر کوئی حرف نہیں  
 آسکتا۔ ہم کچھ عرصہ خاموش رہنے کے بعد دوبارہ کارروائیاں شروع کر  
 دیں گے۔“..... دوسری طرف سے کہا گیا۔

”اوہ شکریہ جناب میں تو اخبارات پڑھ کر واقعی بے حد پریشان ہو  
 گیا تھا۔“..... آفتاب احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم ہمارے اہم ترین  
 آدمی ہو اور تمہاری حیثیت ایسی ہے کہ کوئی تم تک نہ پہنچ سکے گا لیکن  
 اس کے لئے شرط یہی ہے کہ تمہاری طرف سے کوئی حماقت نہ ہوئے  
 پائے۔ تم نے اس واقعے سے قطعی لا تعلق رہنا ہے۔ بالکل عام  
 آدمیوں کی طرح۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”یس سر۔ ایسا ہی ہوگا۔“..... آفتاب احمد نے جواب دیا اور اس  
 کے ساتھ ہی دوسری طرف سے رابطہ ختم ہو جانے پر اس نے بٹن آف  
 کیا اور پھر ایک طویل سانس لیتے ہوئے وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔  
 فون پیس میز پر رکھ کر اس نے دوبارہ اخبارات اٹھائے اور انہیں پڑھنا

کوشش کرتے ہوئے قبروں میں اتر گئے ہیں۔ بڑی بڑی مجرم تنظیموں  
 کو اس اکیلی آدمی نے ختم کر کے رکھ دیا ہے اور آپ اسے کسی پیشہ ور  
 مجرم سے ختم کرانے کی بات سوچ رہے ہیں۔ جو کچھ میں نے آپ کو  
 بتایا ہے۔ یہ اس کا عشرِ عشر بھی نہیں جو کچھ یہ عمران ہے۔ اس لئے  
 آپ پلیز اس سلسلے میں خاموش رہیں۔ آپ کی خاموشی میں ہی آپ کی  
 بچت ہے۔ باقی اوپر رپورٹ جا چکی ہے۔ آئندہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں  
 اس کا فیصلہ اوپر والے خود ہی کر لیں گے۔“..... رامیش نے اس بار تلخ  
 لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔ آپ کہتے ہیں تو مجھے یقین آ گیا ہے۔ بہر حال آج رات  
 آپ فنکشن پر آ رہے ہیں پھر تفصیلی باتیں ہوں گی۔“ آفتاب احمد  
 نے کہا۔

”وہاں کوئی بات نہ ہو سکے گی۔ آپ نے بھی محتاط رہنا ہے۔ آپ  
 نے ہمیں بس دوسرے مہمانوں کی طرح ٹرسٹ کرنا ہے کیونکہ مجھے  
 یقین ہے کہ وہ علی عمران بھی کسی نہ کسی انداز میں وہاں موجود  
 ہوگا۔“..... رامیش نے کہا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا۔  
 آفتاب احمد نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے فون آف کیا اور اسے  
 واپس میز پر رکھ کر وہ اٹھنے ہی لگے تھے کہ فون کی مٹرنگ سی سی سی کی آواز  
 سنائی دی اور آفتاب احمد نے چونک کر فون پیس اٹھایا اور اس کا بٹن  
 آن کر دیا۔

”آفتاب احمد بول رہا ہوں۔“..... آفتاب احمد نے کہا۔

شروع کر دیا لیکن اب اس کے چہرے پر پریشانی کے کوئی آثار نہ تھے وہ پوری طرح مطمئن نظر آ رہا تھا۔

سرکاری جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر فیاض بیٹھا ہوا تھا جب کہ اس کے ساتھ والی سیٹ پر عمران تھا۔ باقی جیپ خالی تھی۔ فیاض کے جسم پر باقاعدہ یونیفارم تھی جب کہ عمران کے جسم پر ٹیکنی کرباس تھا زرد رنگ کی پتلون پر اس نے گہرے سبز رنگ کی قمیض۔ شوخ سرخ رنگ کا کوٹ اور نیلے رنگ کی پھولدار مگر چوڑی ٹائی پہنی ہوئی تھی۔ پاکیشیا شاید دنیا کا واحد ملک تھا کہ یہاں انٹیلی جنس کے لئے باقاعدہ یونیفارم مقرر تھی اور ان کی گاڑیوں پر بھی انٹیلی جنس کی پلیٹیں لگی رہتی تھیں۔ یہ سر عبدالرحمن کی اختراع تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ انٹیلی جنس کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ یونیفارم پہننے۔ ہاں جب وہ کسی خفیہ کام میں مصروف ہو تو بے شک یونیفارم نہ پہننے لیکن عام حالات میں اسے یونیفارم پہننی چاہیے اس طرح انہیں احساس رہتا تھا کہ وہ سرکاری ملازم ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ فیاض باقاعدہ یونیفارم پہنتا تھا اور

تمہارا خیال ہے کہ میں اکیلا استاذ مشن مکمل کر سکتا ہوں۔  
ان نے کہا تو فیاض کے چہرے پر حیرت ابھرائی۔

”کیا مطلب تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“ فیاض نے حیرت بھرے  
لہجے میں کہا۔

”ہمارے عقب میں کار میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے یہ ساری  
رووائی کی ہے لیکن اس کا پھل انہوں نے تمہیں دے دیا ہے۔“  
عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوہ مگر یہ کون ہیں؟“ فیاض نے اور زیادہ حیران ہوتے  
لہجے میں کہا۔

”یہ اپنے دل میں انسانی درد رکھنے والے چار افراد کا گروپ ہے جو  
حاضرے کو ان بھیانک جرائم اور مجرموں سے پاک کرنے کے مشن  
کام کر رہا ہے۔ اس گروپ کا نام فور سٹارز گروپ ہے۔ یہ اپنی جیب  
کے خرچ کر کے اور اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر پاکیشیا کے ان مجرموں  
کے خلاف کام کر رہے ہیں جو پاکیشیا کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں  
عروف ہیں۔ دوسرے غفلتوں میں جو کام تمہاری انٹیلی جنس اور

قائم پولیس کو کرنا چاہیے وہ یہ کر رہے ہیں اور جب یہ اپنے مشن میں  
مہیا ہوتے ہیں تو پھر یہ سب کچھ خاموشی سے تمہاری جھولی میں ڈال  
دیتے ہیں۔ نہ ہی تم سے کوئی معاوضہ طلب کرتے ہیں نہ اپنا خرچہ۔ نہ  
نہایت میں خبریں۔ انہیں تو کچھ بھی نہیں ملتا۔“ عمران نے جواب  
دیا۔

اس وقت بھی وہ یونیفارم میں ہی تھا حالانکہ اس وقت دفتر کا وقت نہ  
تھا۔ جیب تیزی سے ایک سڑک پر دوڑتی ہوئی آگے بڑھی چلی جا رہی  
تھی۔

”تم کیا اوٹ پٹانگ سا لباس پہن کر آئے ہو کیا تمہیں ڈھنگ کا  
لباس نہ ملتا تھا پہننے کو؟“ اچانک فیاض نے عمران کے لباس کی  
طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اوٹ پٹانگ نام کی ابھی تک کوئی فرم قائم نہیں ہوئی۔ اس لیے  
یہ لباس اب پٹانگ ہو ہی نہیں سکتا۔ ویسے اگر تم چاہو تو میں بغیر  
لباس بھی تمہارے ساتھ جاسکتا ہوں۔“ عمران نے جواب دیا۔

”بس۔ بس۔ ایسی صورت میں یہ بھی غنیمت ہے۔ لیکن  
ہمارے عقب میں ایک کار مسلسل آرہی ہے کون ہو سکتے ہیں؟“  
اچانک فیاض نے کہا تو عمران مسکرا دیا۔

”فکر مت کرو یہ تمہارے محسن ہیں۔“ عمران نے جواب دیا تو  
فیاض بے اختیار چونک پڑا۔  
”میرے محسن۔ کیا مطلب؟“ فیاض نے چونک کر کہا۔

”تمہیں معلوم ہے کہ دہشت گردوں کے ان گینگز اور دھماکے  
کرنے والے ملزموں کے خلاف کارروائی کس نے کی ہے۔ تمہیں تو  
کئی پکائی کھیر مل گئی ہے لیکن یہ تم نے سوچا ہے کہ یہ کھیر پکائی کس  
نے ہے؟“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تم نے اور کس نے؟“ فیاض نے حیران ہو کر کہا۔

”اوہ۔ اوہ۔ مگر تم نے اب تک مجھے نہ ہی ان سے ملوایا ہے اور نہ اسے کہ آج اس کی شادی کی سالگرہ ہے اور اس تقریب میں صدر مملکت مدعو ہیں۔ چونکہ صدر مملکت مدعو ہیں۔ اس لئے ظاہر ہے۔ مجھے بتایا ہے۔“ فیاض نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”مل لینا۔ کیا جلدی ہے۔“ عمران نے جواب دیا تو فیاض نے اعلیٰ افسران بھی موجود ہوں گے ویسے بھی آفتاب احمد کے اثبات میں سر ملوایا۔

”فور سٹارز۔ تو یہ ہیں۔ وہ فور سٹارز مجھے رپورٹیں مل رہی تھیں کہ لہری افسران، فوجی افسران اور بڑے بڑے بزنس مین شہر کے دیگر فور سٹارز نامی کوئی گروپ مجرموں کے خلاف کام کر رہا ہے۔ لیکن میرا ذرا فراہ بلکہ تقریباً تمام ملکوں کے سفیر بھی اس تقریب میں شامل خیال تھا کہ وہ بھی کوئی مجرم گروپ ہی ہو گا۔ یہ تو تم نے اب بتایا ہے۔“ عمران نے کہا تو فیاض کی آنکھیں حیرت سے پھٹتی چلی کہ یہ کون ہیں۔ یہ نہ صرف میرے بلکہ پورے معاشرے کے محسن ہیں۔

”میں ان سے ضرور ملوں گا۔“ فیاض نے کہا اور عمران نے اثبات ”تو۔ تو۔ پھر۔۔۔۔۔“ فیاض نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”میں سر ملادیا۔ جیپ اس وقت امریکی کالونی میں داخل ہو رہی تھی۔“ میں چاہتا ہوں کہ تم ان سب کے سامنے آفتاب احمد کو گرفتار جہاں انتہائی عالیشان اور وسیع رقبہ پر بنی ہوئی کوٹھیاں نظر آ رہی۔ تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ آفتاب احمد دراصل کون تھیں۔ چند لمحوں بعد جیسے ہی جیپ نے ایک موڑ کاٹا۔ عمران نے ”نہ۔۔۔۔۔“ عمران نے جواب دیا۔

”فیاض کو جیپ روکنے کا کہہ دیا۔ فیاض نے سائیڈ پر کر کے جیپ روک دی۔“ ایسا ناممکن ہے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ بغیر وارنٹ فتاری کے اور بغیر کسی ثبوت کے میں اسے کیسے گرفتار کر سکتا ہوں دی۔

”اوہ بھی صدر مملکت کی موجودگی میں۔ اوہ نہیں مجھے تو کسی نے اندر کیا ہوا۔“ فیاض نے کہا۔

”وہ سامنے کوٹھی دیکھ رہے ہو جسے سجایا گیا ہے۔“ عمران نے انہیں گھسنے دینا۔ ”فیاض کے چہرے پر پسنینہ بہنے لگا۔“

”سامنے بقعہ نور بنی ہوئی کوٹھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔“ تم سنٹرل انٹیلی جنس کے سپرنٹنڈنٹ ہو۔ تمہیں کون روک ہاں میرے خیال میں کوئی شادی ہے یہاں۔۔۔۔۔“ فیاض نے بتا ہے۔ عمران نے کہا۔

”نہیں۔ سوری عمران میں ایسا کر ہی نہیں سکتا۔ یہ ناممکن ہے۔“ جواب دیا۔

”یہ آفتاب احمد کی کوٹھی ہے اور یہ روشنی اور سجاوٹ اس لئے کہ اسے بعد میں گرفتار کر لیں گے۔ یہ کوئی بھاگتا نہیں جا رہا۔“ فیاض



نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔  
 ے سکتا۔ جہاں صدر صاحب خود ہوں وہاں وارنٹ گرفتاری کیا  
 لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تم ہر صورت میں اسے گرفتار کرو گے۔ کسی مجسٹریٹ کا ہی ہو گا۔ فیاض نے منہ بناتے ہوئے  
 گے عمران نے کہا۔

”وہ تو میں نے کہا تھا لیکن میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اس تقریب  
 کے دوران اسے گرفتار کروں گا۔ سوری عمران۔ تم چاہے جو مرضی دتے ہیں کسی کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کرنے کے۔ ان  
 آئے کہو۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں واپس جا رہا ہوں۔“ فیاض تیارات کو تو صدر صاحب بھی چیلنج نہیں کر سکتے۔ عمران نے  
 نے حواس باختہ ہوتے ہوئے کہا۔

سر سلطان کے ساتھ ساتھ ڈیڈی بھی یہاں مدعو ہوں گے۔ تم آخر تم اس تقریب میں اس کی گرفتاری کے لئے کیوں بفسد ہو۔  
 سوچو جب تم سب کے سامنے اسے گرفتار کرو گے تو کتنا رعب بنے گا پراسوں گرفتار کر لیں گے اسے مقصد تو گرفتاری ہی ہے ہو جائے  
 جہاز۔ عمران نے کہا۔

”تم رعب کی بات کر رہے ہو وہ مجھے گولی مار دیں گے۔ نہیں“ صدر صاحب کی موجودگی کی وجہ سے یہاں ٹیلی ویژن کمرے  
 سوری۔ میں ایسی خود کشی سے باز آیا۔“ فیاض نے کہا اور اس کے لڑ گے۔ ریڈیو کے مناسدے ہوں گے۔ صحافی ہوں گے۔ میں چاہتا  
 ساتھ ہی اس نے جیپ سٹارٹ کی اور اسے واپس موڑنے لگا۔ اس کے آفتاب احمد کو اس طرح گرفتار کرتے ہوئے چہاری تصویر  
 ”ابھی رک جاؤ پہلے معاملہ طے کر لو۔“ عمران نے سرد لہجے میں ٹیلی ویژن پر بھی نظر آئے۔ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
 کہا۔

”جب میں نے کہہ دیا ہے کہ اس تقریب کے دوران میں ایسا نہیں بپ کو موڑنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔  
 کر سکتا تو پھر اور کون سا معاملہ طے کرنا باقی ہے۔“ فیاض نے کہا۔ ”یار میں تمہیں استاءزدل تو نہیں سمجھتا تھا۔“ عمران نے منہ  
 ”اگر تمہیں وارنٹ گرفتاری مہیا کر دیا جائے تب۔“ عمران بتاتے ہوئے کہا۔

نے کہا۔  
 ”میں اس سے بھی زیادہ بزدل ہوں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔“ فیاض  
 ”نہیں اس تقریب کے دوران تو وارنٹ گرفتاری بھی کام نہیں اقصی مکمل طور پر ہتھیار ڈال چکا تھا۔“

"ایسے آدمیوں کو جو معاشرے میں بظاہر بے حد معزز ہوں لیکن در پردہ اس قدر بھیانک کردار کے مالک ہوں۔ ایسی تقریب میں ہی گرفتار ہونا چاہئے۔ یہی بات ان کے لئے کافی ہوتی ہے کہ جن لوگوں کو اپنے گرد وہ اکٹھا کر کے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں وہی بے بس ہو جائیں تاکہ اس جیسے اور مجرموں کو بھی عبرت ہو"..... عمران نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"کیا واقعی تم نے وارنٹ گرفتاری حاصل کر لیا ہے۔ دکھاؤ مجھے"..... فیاض نے کہا۔

"ڈیڈی کو دکھا دیا جائے گا۔ تم اس کی فکر مت کرو"..... عمران نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے پھر میں باہر انتظار کروں گا"..... فیاض نے کہا تو عمران سر ہلاتا ہوا جیب سے اترا اور عقبی طرف کھڑی ہوئی کار کی طرف بڑھ گیا۔ جس میں فور سٹارز موجود تھے۔

"کیا ہوا عمران صاحب آپ رک کیوں گئے"..... ڈرائیونگ سیٹ پر موجود صدیقی نے حیران ہو کر کہا۔

"فیاض صاحب ہتھیار ڈال گئے ہیں" عمران نے سائیڈ سیٹ کا دروازہ کھول کر کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ سائیڈ سیٹ پہلے سے ہی خالی تھی۔ عقبی سیٹوں پر چوہان، خادور اور نعمانی بیٹھے ہوئے تھے۔ شاید عمران نے فرنٹ سائیڈ سیٹ خالی رکھنے کا انہیں پہلے سے کہہ دیا تھا۔

"اچھا چلو رک جاؤ۔ میں نے تقریب میں شرکت کے خصوصی کارڈ منگوا لئے ہیں۔ تم بطور مہمان اس میں شرکت کرو۔ اگر تم اپنے سر اس گرفتاری کا سہرا نہیں باندھنا چاہتے تو نہ سہی"..... عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"میں سرکاری یونیفارم میں ہوں۔ اس لئے میں اندر نہیں جاؤں گا"..... فیاض نے کہا۔

"اچھا ایسا تو ہو سکتا ہے کہ تم باہر ٹھہر دو جب ڈیڈی تمہیں بلائیں تب آجانا"..... عمران نے کہا۔

"وہ کیوں بلائیں گے۔ وہ تو اس بات پر مجھے سب کے سامنے ڈانٹ پلا دیں گے کہ میں یہاں آیا ہی کیوں تھا"..... فیاض نے کہا۔

"اگر ڈیڈی تمہیں اس گرفتاری کا کہیں تو پھر کر لو گے گرفتار"۔ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کہیں تو میں صدر مملکت کو بھی گرفتار کر سکتا ہوں۔ مجھے اصل ڈر تو انہی سے لگتا ہے"..... فیاض نے چونک کر کہا۔

"تو پھر یہاں باہر رہنا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس گرفتاری کا سہرا بھی تمہارے سر ہی رہے۔ ورنہ تو تمہارے کسی انسپکٹر کو بھی بلا کر یہ گرفتاری کرائی جاسکتی ہے اور اگر تم باہر موجود نہ رہے تو پھر ایسا ہی کیا جائے گا"..... عمران نے کہا۔

"سنو آخر تم اس وقت اس گرفتاری پر کیوں بھد ہو"..... فیاض نے کہا۔

"آپ کے کارڈ پلزز"..... سیکورٹی آفیسر نے انتہائی حیرت بھرے انداز میں عمران کے ٹینک کمر لباس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کارڈ؟ تو کیا اندر جاؤ گا؟"..... عمران نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔  
 "جوا۔ کیا مطلب؟" سیکورٹی آفیسر نے حیران ہوتے ہوئے کہا  
 "کارڈ تو جوئے کے لئے ہی استعمال ہوتے ہیں"..... عمران نے بڑے معصوم سے لہجے میں کہا۔

"اوہ میں تاش والے کارڈ کی بات نہیں کر رہا جتنا دعوتی کارڈ کی بات کر رہا ہوں"..... سیکورٹی آفیسر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"دعوتی کارڈ؟"..... عمران نے کچھ کہنا چاہا ہی تھا کہ صدیقی نے جلدی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے جیب سے پانچ کارڈ نکالے اور سیکورٹی آفیسر کی طرف بڑھا دیئے۔  
 "ٹھیک ہے جتنا آپ تشریف لے جا سکتے ہیں"..... سیکورٹی آفیسر نے کارڈ چیک کرتے ہوئے کہا۔

"جانے کے لئے تو دعوتی کارڈ ہوتے لیکن واپسی کے لئے کیا چورن کارڈ ہوں گے"..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا تو سیکورٹی آفیسر صرف مسکرا کر رہ گیا اور وہ سب اندر داخل ہو گئے۔ واقعی اس عظیم الشان کوٹھی کو اس خوبصورت اور شاندار انداز میں سجایا گیا تھا کہ عمران بھی داد دیتے بغیر نہ رہ سکا۔

"اگر شادی کی سالگرہ پر اسٹا خرچ ہو سکتا ہے تو شادی پر کتنا خرچ

"قاہر ہے عمران صاحب وہ اس تقریب میں یہ گرفتاری کیسے کر سکتا ہے"..... صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا اور کارڈ آگے بڑھا دی۔  
 "میں چاہتا ہوں کہ گرفتاری وہی کرے کیونکہ اس طرح آپ لوگ اور میں سلسلے آئیں گے"..... عمران نے جواب دیا۔  
 "تو پھر آپ نے کیا سوچا ہے؟"..... صدیقی نے کہا۔  
 "تقریب میں چلو وہاں جا کر صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کروں گا"..... عمران نے جواب دیا۔

"دلیہ عمران صاحب اس تقریب میں آپ اگر پرنس آف ڈھمپ کے طور پر شرکت کرتے تو بے حد لطف آتا"..... عقبی سیٹ پر بیٹھے چوہان نے کہا۔

"جہاں کنگ آف ڈھمپ بنفس نفیس موجود ہوں وہاں بیچارے پرنس کو کون پوچھتا ہے اور کنگ صاحب کو غصہ آگیا تو دیں بھری تقریب میں پرنس مرغا بنا کھڑا نظر آئے گا"..... عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور کارڈ تمہوں سے گونج اٹھی۔ تمہوڑی در بعد کار کوٹھی کے سامنے ایک وسیع خالی پلاٹ میں بنی ہوئی پارکنگ میں پہنچ گئی۔ وہاں باقاعدہ ٹریفک پولیس کے افسران موجود تھے جو کاروں کی پارکنگ کے انتظامات کر رہے تھے۔ ان کی ہدایت کے مطابق صدیقی نے کار ایک سائیڈ پر پارک کی اور پھر وہ سب نیچے اتر آئے۔ پارکنگ سے نکل کر وہ جب مین گیٹ کے قریب پہنچے تو وہاں باقاعدہ سیکورٹی کے اعلیٰ افسران موجود تھے۔

عورتیں اور مرد ہال میں ٹکڑیوں کی صورت میں کھڑے مشروبات بھی پی رہے تھے اور آپس میں ہنسی مذاق بھی کر رہے تھے۔ عمران اندر داخل ہو کر اس طرح حیرت سے آنکھیں پٹپٹا رہا تھا۔ جیسے کوئی دہبائی زندگی میں پہلی بار کسی میلے میں آیا ہو۔ ہال میں موجود وہ افراد جن کا رخ عمران اور اس کے ساتھیوں کی طرف تھا۔ ان سب کے چہروں پر عمران کا لباس دیکھ کر حیرت کے تاثرات ابھر رہے تھے۔ اچانک ایک سائیڈ سے ایک ادھیر عمر آدمی جس نے انتہائی شاندار تھری پیس سوٹ پہن رکھا تھا۔ ان کی طرف بڑھا۔ اس کے چہرے پر وقار تھا۔

”میرا نام آفتاب ہے“..... آنے والے نے کہا۔

”ارے پھر یہاں اتنی روشنی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تو اسراف ہے۔ بس آپ کو چھت سے لٹکا دیا جاتا اور یہ سب تھری پیس سوٹ بھی اتر جاتے اور لوگوں کی آنکھیں بھی چندھیا جاتیں“۔ عمران نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

”آپ کون صاحب ہیں۔ آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔“ آفتاب نے بمشکل اپنے غصے کو روکتے ہوئے کہا۔

”اب آفتاب کے سامنے بھلا کس کا چراغ جل سکتا ہے۔ اس لئے تعارف کیا کرایا جائے ویسے پہلے میرا نام روشن چراغ تھا لیکن اب گل شدہ چراغ سمجھ لیں اور یہ میرے ساتھی ہیں مطلب ہے جب چراغ روشن تھا تو یہ اس کی کرنیں تھیں“..... عمران نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔

ہوا ہوگا“..... چوہان نے کہا۔

”یہ سارا خرچ تحفوں کی شکل میں واپس وصول ہو جائے گا۔ البتہ شادی کے موقع پر تحفوں کے ساتھ ساتھ ایک بڑا خوبصورت تحفہ بھی ساتھ ہی مل جاتا ہے۔ اس لئے خرچ کی کسے پرواہ ہوتی ہے۔“ عمران نے ہال کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھی بے اختیار ہنس پڑے۔ آنے جانے والے سب لوگ جن میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی۔ سب کی نظریں عمران کے لباس پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ کئی تو مسکرا دیئے تھے جب کہ کئی کے چہروں پر ناگواری کے تاثرات نمودار ہو جاتے تھے۔ ہال کے دروازے پر دو بادر دی دربان موجود تھے۔

”کیا صدر صاحب تشریف لالچکے ہیں“..... عمران نے ایک دربان سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

”نہیں جناب ان کا پروگرام کینسل ہو گیا ہے۔ وہ اب تشریف نہیں لائیں گے“..... دربان نے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے دروازہ کھول دیا۔

”اوہ میرا یار خواہ مخواہ ڈر رہا تھا“..... عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا اور وہ ہال میں داخل ہوئے۔ ہال بے حد وسیع تھا اور اسے واقعی انتہائی شاندار انداز میں سجایا گیا تھا۔ ہال اس دقت اعلیٰ ترین طبقے کے افراد سے تقریباً بھرا ہوا تھا چاروں طرف صوفے رکھے ہوئے تھے جن پر عورتیں اور مرد بیٹھے ہوئے تھے جب کہ درمیان میں ایک بڑی میز تھی جس پر ایک آٹھ منزلہ کیک رکھا ہوا تھا۔ صوفوں کے علاوہ بھی

"جج جناب یہ۔ صاحبان میرے مہمان نہیں ہیں۔ نجانے یہ کیسے آگئے ہیں۔ میں انہیں ابھی باہر نکالتا ہوں جناب"..... آفتاب احمد نے سر عبدالرحمن کے غصے کو دیکھتے ہوئے گڑبڑا کر کہا وہ شاید یہ سمجھا تھا کہ سر عبدالرحمن عمران کے لباس کی وجہ سے غصہ کھا رہے ہیں۔

"ڈیڈ۔ ڈیڈی۔ وہ دراصل فینائل کی گولیاں بہت مہنگی ہو گئی ہیں اور آپ تو جانتے ہیں کہ میں"..... عمران نے اتہائی بے بس سے لہجے میں کہنا شروع کر دیا۔

"شٹ اپ یو نانسنس۔ گٹ آؤٹ"..... سر عبدالرحمن کا غصہ اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ انہوں نے شاید جان بوجھ کر عمران کی بات کاٹ دی تھی کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ابھی بھری محفل میں عمران نے اپنی مفلسی اور قلاشی کارو ناراوشروع کر دینا ہے۔

"وہ۔ وہ تو پہلے سے گٹ آؤٹ ہے ڈیڈی۔ وہ آپ کا سپرنٹنڈنٹ فیاض وہ باہر کھڑا ہے"..... عمران نے اسی طرح کہا۔

"چو مسٹر باہر ورنہ دھکے دے کر نکلوا دوں گا"..... آفتاب احمد اب اپنے اصل روپ میں آگیا۔

"مسٹر آفتاب احمد آپ نے شاید ان کے لفظ ڈیڈی پر غور نہیں کیا یہ سر عبدالرحمن کے اکوٹے فرزند علی عمران صاحب ہیں۔" اچانک سر سلطان نے مداخلت کرتے ہوئے کہا تو آفتاب احمد اس طرح اچھل کر پیچھے ہٹا جیسے اس کے پیر میں کسی پنکھو نے ڈنگ مار دیا ہو۔

"علی عمران۔ مم۔ مم مگر انہوں نے تو کہا تھا کہ ان کا نام روشن

"روشن چراغ۔ مگر۔ میں تو آپ کو پہچانتا بھی نہیں ہوں۔ پھر آپ کو کارڈز کیسے مل گئے"..... آفتاب احمد نے اس بار قدرے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"ارے یہ کون سی مشکل بات تھی۔ جس پریس کو آپ نے کارڈ چھپنے کے لئے دیئے تھے۔ وہاں میرا ایک بھتیجا کام کرتا ہے۔ میں نے اسے کہہ دیا کہ چار پانچ کارڈ فالتو چھاپ دے اس نے چھاپ دیئے۔" عمران نے بڑے معصوم سے لہجے میں کہا۔

"آپ میرے ساتھ آئیں"..... آفتاب احمد نے ہونٹ بھیختے ہوئے کہا۔ لیکن اسی لمحے ہال کا دروازہ کھلا اور سر سلطان اور ان کے ساتھ عمران کے ڈیڈی سر عبدالرحمن اندر داخل ہوئے تو آفتاب تیزی سے ان کے استقبال کے لئے لپکا۔

"آپ نے تشریف لا کر میری بے حد عزت افزائی فرمائی ہے جناب۔ خوش آمدید"..... آفتاب احمد ان دونوں کے سامنے تقریباً کھججا رہا تھا۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"..... اچانک عمران نے قریب جا کر بڑے خضوع و خشوع سے سر سلطان اور سر عبدالرحمن کو سلام کرتے ہوئے کہا۔

"تم اور یہاں اور اس لباس میں۔ کیا مطلب۔ کیا تمہارے پاس ڈھنگ کا لباس بھی نہیں ہے"..... سر عبدالرحمن نے چونک کر عمران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ان کے چہرے پر یکفخت غصے کے چراغ سے جل اٹھے تھے۔

چراغ ہے۔..... آفتاب احمد بری طرح گھبرا گیا تھا۔

"تم نے سنا نہیں جاؤ یہاں سے درنہ میں خود واپس چلا جاؤں گا۔..... سر عبدالرحمن اس تعارف کے بعد اور زیادہ بگڑ گئے تھے۔

"چھوڑو عبدالرحمن۔ بچوں کو انجوائے کرنے دو..... آؤ میرے ساتھ۔" سر سلطان نے سر عبدالرحمن کا بازو پکڑ کر انہیں ایک طرف لے جاتے ہوئے کہا۔ ہال میں موجود دہر شخص ان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"نہیں سر سلطان۔ میں اسے اس حلیے میں برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ اس ناخلف نے نہیں جانا۔ میں خود واپس جا رہا ہوں۔..... سر عبدالرحمن نے اسی طرح غصیلے لہجے میں کہا اور واپس مڑنے ہی لگے تھے۔

"ڈیڈی آپ مت جائیں میں چلا جاتا ہوں۔ آئی ایم سوری۔" اچانک عمران نے کہا اور تیز قدم اٹھاتا وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا دوسرے لمحے وہ ہال کا دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ عمران کے ساتھی بھی خاموشی سے اس کے پیچھے باہر نکل آئے۔

"عمران صاحب آپ واقعی واپس جا رہے ہیں۔..... صدیقی نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"تو تم بتاؤ اب اور کیا کروں۔ اب باپ کا حکم تو بہر حال ماننا اولاد پر فرض ہوتا ہے ناں۔..... عمران نے بڑے بے بس سے لہجے میں کہا۔

"تم فکر نہ کرو صدیقی عمران صاحب کا اس طرح باہر آنا بھی کسی

مقصد کے لئے ہی ہوگا۔..... چوہان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ لباس ڈھنگ کا پہن لیتے تو کم از کم یہ صورتحال تو پیدا نہ ہوتی۔..... صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وی بات تو ڈیڈی کو بتا رہا تھا انہوں نے سنا ہی نہیں۔ ایک تو ان بزرگوں میں بڑی عجیب عادت ہوتی ہے کہ اولاد کی بات سنتے ہی نہیں اور پہلے فیصلہ صادر فرما دیتے ہیں۔ اب فینائل کی گولیاں خریدنے جاؤ تو ان پر اتنی ہی رقم لگتی ہے جتنی کہ نیا سوٹ سلوانے میں اور بغیر فینائل کے لباسوں کو کیدا لگ جاتا ہے۔ ساری الماری میں سے چھانٹ چھانٹ کر یہی کچھ درست ملا تو پہن لیا۔ اب تم خود بتاؤ میں کیزے لگا سوٹ پہن کر یہاں آجاتا کہ جگہ جگہ بڑے بڑے سوراخ ہوں تو پھر ڈیڈی خوش ہو جاتے۔..... عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا اور صدیقی سمیت سب بے اختیار ہنس پڑے۔ اتنی دیر میں وہ کونٹھی کے بیرونی گیٹ سے باہر آچکے تھے۔

تم جا کر سپرنٹنڈنٹ فیاض کو بلا لاؤ۔ اب جب کہ صدر مملکت نہیں آرہے تو اب اسے ڈرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔..... عمران نے صدیقی سے کہا تو صدیقی خاموشی سے سر ملاتا ہوا باہر کی طرف چل پڑا۔ وہ شاید اب سمجھ گیا تھا کہ عمران نے کیا پروگرام بنایا ہے۔

"عمران صاحب کیا سر عبدالرحمن کے سلمے فیاض بغیر کسی ثبوت کے آفتاب احمد کو گرفتار کرنے پر تیار ہو جائے گا۔..... چوہان نے کہا۔

”ڈیڈی نے بھی تمہیں دیکھ لیا ہے۔ اس لئے انہوں نے حکم دیا ہے کہ فیاض کو اندر لے آؤ۔ لہذا چلو تمہاری طلبی ہوئی ہے“..... عمران نے کہا۔

”وہ سرسلطان کے پاس ہے۔ انہوں نے ہی جاری کرایا ہے اور سنو  
ٹے یہ ہوا ہے کہ اگر آفتاب کو ذرا بھی بھٹک پڑ گئی کہ اسے گرفتار کیا  
جانا ہے تو وہ لاحالہ غائب ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ ملکی  
سرحدیں پار کر جائے اور اس کے بعد اس کا ہاتھ آنا محال ہو جائے گا۔

مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”اوہ اوہ پھر..... صدیقی نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

”وہ محاورہ نہیں سنا کہ چڑھ جا بیٹا سولی رام بھلی کرے گا۔ اب وہی حال فیاض کا ہو گا آؤ..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا اور فیاض کافی آگے جا چکا تھا۔ ایک بار پھر انہوں نے دربانوں کو کارڈ دکھائے اور آگے بڑھ گئے۔ فیاض اسی طرح اکڑتا ہوا آگے بڑھا چلا جا رہا تھا اور اس کے ساتھ اندر جانے والے اسے اس طرح یونیفارم میں حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

”تم آگے جاؤ اور فیاض کے ساتھ اندر داخل ہو کر اسے آفتاب احمد دکھا دو باقی کام وہ خود کر لے گا لیکن خیال رکھنا ہو سکتا کہ یہاں دشمن ایجنٹ موجود ہوں اور وہ آفتاب کو ہلاک کرنے کی کوشش کریں.....“ عمران نے کہا اور سب ساتھیوں نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔ ان کے سر ہلانے کا انداز بتا رہا تھا کہ انہیں اب سمجھ آئی تھی کہ عمران انہیں یہاں ساتھ کیوں لے آیا تھا۔ یہ بات تو طے تھی کہ آفتاب کافرستان کا مین ایجنٹ ہے اور آفتاب کی گرفتاری کے بعد ظاہر ہے کافرستان کا نام اس دہشت گردی میں سلنے آ جانا تھا اس لئے واقعی اسے ہلاک بھی کیا جاسکتا تھا کہ کافرستان اس سلسلے میں ملوث ثابت نہ ہو۔ صدیقی تیز قدم اٹھاتا فیاض کی طرف بڑھ گیا۔

”تم بھی جاؤ میں بعد میں آؤں گا.....“ عمران نے باقی ساتھیوں سے کہا اور وہ سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ پھر وہ سب ایک دوسرے

اس لئے تم نے سیدھا اندر جاتے ہی اسے فوری طور پر ہتھکڑی لگا دینی ہے۔ باقی کام بعد میں ہوتا رہے گا.....“ عمران نے سمجھاتے ہوئے کہا ”لیکن اس کی نشان دہی کون کرے گا.....“ فیاض نے کہا۔

”نشان دہی بھی ہو جائے گی۔ تم نکر نہ کرو۔ آج اس محفل کا ہیرو آفتاب نہیں بلکہ سپرنٹنڈنٹ فیاض ہو گا جس نے بین الاقوامی مجرم کو اس طرح بھری محفل میں ہتھکڑی لگانی ہے۔ کل کے اخبارات تمہاری کارکردگی کے قصیدوں اور تمہاری تصویروں سے بھرے ہوئے ہوں گے.....“ عمران نے کہا۔

”اوکے۔ چلو آؤ۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ آفتاب احمد کہاں بھاگتا ہے.....“ فیاض اب پوری طرح عمران کے ڈھب پر آچکا تھا۔

”اندر ہال تک پہنچتے ہوئے تم نے صرف مہمان ہونا ہے۔ ورنہ آج کے آدمی یہاں موجود ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ اسے تمہارے اندر پہنچنے تک اطلاع مل جائے اور وہ کھسک جائے.....“ عمران نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے صدیقی کو اشارہ کیا تو صدیقی نے کوٹ کی دوسری جیب سے ایک کارڈ نکال کر فیاض کی طرف بڑھا دیا۔

”چلو اب اپنی بے پناہ عزت کی طرف قدم بڑھاؤ.....“ عمران نے کہا اور فیاض ہاتھ میں کارڈ پکڑے اکڑتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

”عمران صاحب کیا واقعی آپ نے سرسلطان سے بات کر لی ہے۔“ صدیقی نے عمران سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

”سرسلطان کے تو فرشتوں کو بھی سہ نہیں ہے.....“ عمران نے



ہے۔ آفتاب کا چہرہ دھواں دھواں سا ہو رہا تھا۔ ہال میں موجود ہر شخص حیرت سے آنکھیں پھاڑے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

”چلو میرے ساتھ تم بلاسٹرز کے سرغنہ ہو۔ چلو“..... فیاض نے بڑے بارعب لہجے میں کہا۔

”فیاض یہ کیا ہے“..... اچانک سر عبدالرحمن کی دھاڑ سنائی دی وہ تیزی سے اٹھ کر فیاض کی طرف بڑھے۔

”سر۔ سر۔ یہ بلاسٹرز کا سرغنہ ہے آفتاب احمد۔ میں نے آپ کو رپورٹ دی تھی“..... فیاض نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”یہ بکواس ہے۔ یہ ظلم ہے۔ یہ ایک معزز شہری کی تذلیل ہے۔ میں بزنس میں ہوں میرا کسی دہشت گردی سے کیا تعلق۔ یہ سب میرے خلاف کوئی بڑی سازش ہے“..... اچانک ششدر کھڑے ہوئے آفتاب احمد نے چیختے ہوئے کہا اور ہال میں یکھٹ شور مچ گیا وہاں سب معزز افراد اکٹھے تھے۔ اس لئے وہ سب بیک وقت آفتاب احمد کے حق میں بولنے لگ گئے۔

”کون ہو تم اور تمہیں جرات کیسے ہوئی میرے شوہر کو اس طرح بھری محفل میں ہتھکڑی لگانے کی“..... اسی لمحے ایک میک اپ میں لتھڑی ہوئی عورت نے قریب آکر حلق کے بل چیختے ہوئے فیاض سے مخاطب ہو کر کہا۔

”آپ خاموش رہیں محترمہ۔ ورنہ میں آپ کو بھی ہتھکڑی لگا سکتا ہوں“..... فیاض کا دماغ بھی الٹ گیا تھا۔ اس نے بھی جواب چھ کر

کے آگے پیچھے اندر داخل ہو گئے۔ جب کہ عمران گیٹ پر جا کر رک گیا جہاں دربان کھڑے ہوئے تھے۔

”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یا دربانان جنت ارضی صاحبان“۔ عمران نے ان سے مخاطب ہو کر بڑے خشوع و خضوع سے کہا اور ساتھ ہی مصافحے کے لئے بھی ہاتھ بڑھا دیا۔

”نچ۔ جی۔ ہم تو جتاب“..... دربانوں نے بری طرح بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”مجھے معلوم ہے کہ اصل مسئلہ اس نان کا ہے۔ اس لئے میں نے دربانان کہا ہے۔ میں نے سوچا ویسے تمہیں نان کھانے کو نہیں ملتے تو چلو نام سے ہی لطف لے لو“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نچ جتاب ہم تو چوکیدار ہیں جتاب“..... دربانوں نے انتہائی گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تم کیسے چوکیدار ہو سکتے ہو۔ مطلب ہے چوک رکھنے والے۔ وہ تو ٹریفک کا سپاہی ہو سکتا ہے۔ تم تو یہاں اندر موجود ہو“..... عمران نے بڑے فلسفیانہ لہجے میں کہا لیکن اس کے ساتھ ہی تیزی سے مڑ کر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ کیونکہ اس کے نقطہ نظر سے اب تک فیاض نے اپنا کام کر لیا ہو گا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ طاری ہو گئی۔ اس وقت ہال میں میز کے قریب فیاض نے آفتاب کو بازو سے پکڑا ہوا تھا۔ اس کے دونوں بازو عقب میں تھے۔ جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ فیاض نے اسے ہتھکڑی لگا دی ہوئی

ہے۔..... سر سلطان نے چونک کر کہا۔

”کھولو ہتھکڑی اور معافی مانگو سب سے اور دفع ہو جاؤ۔ صبح میں تم سے بات کروں گا۔.....“ یکفخت سر عبدالرحمن نے دھاڑتے ہوئے لہجے

میں کہا تو فیاض تیزی سے آفتاب احمد کے عقبی طرف کو مڑنے لگا۔

”رک جاؤ سوپر فیاض۔ اب یہ ہتھکڑی عدالت ہی کھلوا سکتی ہے۔.....“ اچانک عمران نے اونچی آواز میں کہا اور آگے بڑھنے لگا۔

”تم۔ تم۔ پھر یہاں۔ میں تمہیں گولی مار دوں گا۔.....“ سر عبدالرحمن عمران کو دیکھتے ہی غصے سے چیخ پڑے۔

”پلیز ڈیڈی۔ اپنے آپ کو قابو میں رکھیں آپ کا عہدہ ایسا ہے کہ آپ کو کسی بین الاقوامی مجرم کی حمایت نہیں کرنی چاہئے۔.....“ عمران نے یکفخت انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”شٹ اپ یو نائنسنس۔ مجھے قانون پڑھا رہا ہے۔ بغیر کسی ثبوت کے کسی کو اس طرح گرفتار نہیں کیا جاسکتا۔.....“ سر عبدالرحمن نے

اور زیادہ غصے بھرے لہجے میں کہا۔

”عبدالرحمن پلیز اگر عمران اسے بین الاقوامی مجرم کہہ رہا ہے تو یہ

واقعی ایسا ہی ہوگا۔.....“ سر سلطان نے سر عبدالرحمن سے مخاطب ہو کر کہا۔

”عمران کون ہوتا ہے۔ بغیر کسی ثبوت کے ایسا کہنے والا۔ کیا

حیثیت ہے اس کی۔.....“ سر عبدالرحمن نے چمک کر کہا۔

”سر سلطان آپ ذمہ داری لے لیں۔ ثبوت پیش کر دیا جائے

ہی دیا تھا۔ عمران دروازے کے ساتھ خاموش کھڑا ساری صورتحال کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ صدیقی اور اس کے ساتھی ہال میں پھیلے ہوئے تھے اور ان کی تیز نظریں ہر آدمی کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

”تمہارے پاس ثبوت ہے۔ اس کے خلاف۔.....“ سر عبدالرحمن نے ہونٹ ہنچتے ہوئے کہا۔

”ثبوت سر سلطان صاحب کے پاس ہے بلکہ ان کے پاس تو وارنٹ گرفتاری بھی ہے۔ آپ بے شک دیکھ لیں۔.....“ فیاض نے چوڑے ہو کر کہا۔

”کیا۔ کیا سر سلطان کیا آپ کے پاس۔ مگر آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔.....“ سر عبدالرحمن نے غصیلے لہجے میں سر سلطان کی طرف مڑتے ہوئے کہا جواب اٹھ کر قریب آچکے تھے۔ ظاہر ہے سر عبدالرحمن کو تو غصہ آنا ہی تھا کہ سر سلطان نے انہیں کچھ بتائے بغیر ان کے ماتحت کے ذریعے استاذ اقدم اٹھوا دیا ہے۔

”میرے پاس۔ کیا مطلب۔ میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔.....“ سر

سلطان نے حیرت بھرے لہجے میں کہا تو فیاض کا چہرہ دیکھنے والا ہو گیا۔

”تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔.....“ سر عبدالرحمن نے غصے

کی شدت سے کانپتے ہوئے فیاض سے مخاطب ہو کر کہا۔

”مم۔ مم۔ مگر مجھے تو.....“ عمران نے..... یہی بتایا تھا کہ.....“

فیاض کی حالت تیزی سے بگڑتی چلی جا رہی تھی۔

”اوہ۔ اوہ۔ تو عمران اس لئے یہاں موجود تھا۔ مگر وہ تو چلا گیا

گا..... عمران نے سرسلطان سے مخاطب ہو کر کہا۔

”ٹھیک ہے میں اس گرفتاری کی ذمہ داری لیتا ہوں“..... سرسلطان نے فوراً ہی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ذمہ داری لیتے ہوئے کہا۔

”سرسلطان آپ کس حیثیت سے یہ ذمہ داری لے سکتے ہیں۔ جب کہ گرفتاری انٹیلی جنس کے ذریعے ہو رہی ہے“..... سرعبدالرحمن نے انتہائی حیرت بھرے لہجے میں سرسلطان سے مخاطب ہو کر کہا۔

”ذمہ داری کی وجوہات تو عمران ہی بتائے گا۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ چونکہ عمران نے ذمہ داری لینے کے لئے کہا ہے۔ اس لئے میں نے ذمہ داری لے لی ہے“..... سرسلطان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ اس ناخلف، ناہنجار، احمق کے کہنے پر اتنی بڑی ذمہ داری لے رہے ہیں۔ مجھے تو آپ کے ذہن پر بھی شک ہو رہا ہے۔“ سرعبدالرحمن کے لہجے میں حیرت کے ساتھ ساتھ غصہ بھی تھا۔

”آفتاب احمد کافرستانی ایجنٹ ہے ڈیڑی اور سرسلطان سیکرٹری وزارت خارجہ بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ پاکیشیا سیکرٹ سروس کے انتظامی انچارج بھی ہیں۔ اس لئے میں نے انہیں ذمہ داری لینے کے لئے کہا ہے۔ مجھے تو اس بات پر حیرت ہو رہی ہے کہ آپ اس گرفتاری کے سلسلے میں اس قدر شدید مزاحمت کیوں کر رہے ہیں۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں کوئی غیر قانونی حرکت برداشت نہیں کر سکتا۔ آفتاب احمد تو معزز آدمی ہیں۔ میں کسی عام آدمی کو بغیر کسی ثبوت کے گرفتار کرنا

ملکی قانون کے خلاف سمجھتا ہوں۔ ہاں اگر تمہارے پاس آفتاب احمد کے دشمن ایجنٹ ہونے کا کوئی ثبوت ہے تو مجھے دکھاؤ۔ اگر میں نے سمجھا کہ یہ ثبوت کافی ہے تو میں خود اپنے ہاتھوں سے آفتاب کو ایک اور ہتھکڑی لگا دوں گا اور پھر چاہے ملک کا صدر ہی کیوں نہ کہے وہ ہتھکڑی نہیں کھل سکے گی لیکن یہ لاقانونیت اور اختیارات کا ناجائز استعمال کسی صورت بھی برداشت نہیں کروں گا“..... سرعبدالرحمن نے انتہائی غصیلے لہجے میں کہا۔

”کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کوئی ثبوت ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ سب میرے خلاف کوئی بھیانک سازش ہے۔ میرا ماضی میرا کردار۔ میری شخصیت بے داغ ہے اور یہ یاد رکھیے سرسلطان ہو یا کوئی اور جس نے بھی اس غیر قانونی گرفتاری میں حصہ لیا ہے میں اس کے خلاف عدالت میں جاؤں گا۔ میں اس کا پچھا قبر تک نہ چھوڑوں گا“..... آفتاب احمد نے چیختے ہوئے کہا۔

”یہ۔ یہ۔ یہ فون۔ یہ صدر مملکت صاحب کا فون“..... اچانک آفتاب کی بیگم نے دوڑ کر آتے ہوئے کہا۔ اس کے ہاتھ میں کارڈ لیس فون تھا۔ اس نے شاید جا کر صدر صاحب کو ذاتی طور پر فون کر کے اس گرفتاری کے خلاف احتجاج کیا تھا۔

”مجھے دیجئے“..... سرسلطان نے انتہائی بادقار لہجے میں کہا اور فون پیس بیگم آفتاب کے ہاتھ سے لے لیا۔ آفتاب احمد کے چہرے پر صدر کے فون کا سن کر اچانک رونق آگئی تھی۔

"پاکیشیا سیکرٹ سروس کے چیف کا منائدہ خصوصی"..... سر سلطان نے جواب دیا۔

"اوہ۔ اوہ۔ مگر۔ مگر۔ جرم کیا ہے اس طرح کسی معزز آدمی کو بھری محفل میں ذلیل کر کے گرفتار کرنا۔ بغیر کسی وارنٹ گرفتاری کے اور بغیر کسی ثبوت کے۔ کیا پاکیشیا سیکرٹ سروس کے چیف کے پاس ایسے اختیارات ہیں"..... صدر مملکت کے لہجے میں بدستور غصہ تھا۔

"میں تو اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا جناب۔ میں تو استاجانتا ہوں جناب کہ اگر پاکیشیا سیکرٹ سروس کا چیف حکم دے تو میں اپنے آپ کو بھی ہتھکڑی لگا سکتا ہوں۔ ویسے آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ بھی خلاف قانون کوئی حرکت نہیں کرتے۔ ان کا منائدہ خصوصی یہاں موجود ہے اگر آپ چاہیں تو براہ راست ان سے بات کر لیں"..... سر سلطان نے جان چھڑوانے کے سے انداز میں کہا۔

"بات کرائیں"..... صدر مملکت نے جواب دیا۔ ان کا لہجہ بتا رہا تھا کہ ان کا موڈ بدستور شدید خراب ہے۔ شاید اس آفتاب نے صدر صاحب اور ان کے گھرانے سے ذاتی قسم کے تعلقات قائم کر رکھے تھے۔

"میں سر علی عمران ایم ایس سی ڈی ایس سی (آکسن) عرض کر رہا ہوں"..... عمران نے لہجے کو مودبانہ رکھتے ہوئے کہا لیکن اس کے انداز میں شرارت کا عنصر نمایاں نظر آ رہا تھا۔

"آفتاب احمد کو کیوں گرفتار کیا گیا ہے"..... صدر مملکت نے

"اس میں لاؤڈر کا بٹن ہے۔ سر سلطان پلیر وہ بٹن آن کر دیجئے تاکہ ہمیں بھی معلوم ہو سکے کہ صدر مملکت نے کیا حکم دیا ہے"۔ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا اور سر سلطان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پہلے لاؤڈر کا بٹن آن کیا پھر فون کا۔

"میں سر سلطان بول رہا ہوں"..... سر سلطان نے انتہائی مودبانہ لہجے میں کہا۔

"سر سلطان بیگم آفتاب نے مجھے کال کرتے ہوئے بتایا ہے کہ آفتاب احمد کو انٹیلی جنس کے کسی سپرنٹنڈنٹ نے تقریب کے دوران ہتھکڑی لگا دی ہے جب کہ انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل اس کی مزاحمت کر رہے ہیں اور آپ اس گرفتاری کی حمایت کر رہے ہیں"۔ صدر مملکت کا لہجہ بے حد ناخوشگوار تھا۔

"آپ کو درست بتایا گیا ہے جناب"..... سر سلطان نے اسی طرح مودبانہ لیکن سپاٹ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ ایسا کیوں کیا گیا ہے۔ کیا جرم کیا ہے آفتاب احمد نے وہ تو انتہائی معزز آدمی ہیں۔ ان کا کردار تو معاشرے کے لئے مثال ہے"..... صدر مملکت نے اس بار انتہائی غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں نے اس گرفتاری کی ذمہ داری علی عمران کے کہنے پر لے لی ہے"..... سر سلطان نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"علی عمران۔ کون علی عمران"..... صدر مملکت نے اور زیادہ تلخ ہوتے ہوئے کہا۔

اہتائی غصیلے لہجے میں کہا۔

”ان کی گرفتاری سنٹرل انٹیلی جنس بیورو کے سپرنٹنڈنٹ جناب فیاض صاحب نے بنفس نفیس کی ہے جناب۔ ان کا کہنا ہے کہ آفتاب صاحب پاکیشیا میں دہشت گرد اور بلاسٹرز گروہوں کے سرغنہ ہیں۔ ان گروہوں کو وہ پہلے ہی گرفتار کر چکے ہیں اور ان میں سے ایک گروہ کے سرغنہ نے اپنی موت سے قبل باقاعدہ تحریری بیان دیا ہے کہ آفتاب صاحب سرغنہ ہیں“..... عمران نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”کیا کسی مجرم کے صرف بیان پر کسی معزز آدمی کو اس طرح گرفتار کیا جاسکتا ہے اور سرسلطان تو آپ کے چیف کا نام لے رہے ہیں“..... صدر مملکت نے کہا۔

”چیف کا تو ان معاملات سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ سیکرٹ سروس کے دائرہ کار میں یہ وارداتیں آتی ہی نہیں“..... عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ تو سرسلطان کا چہرہ تیزی سے بگڑنے لگا۔

”تو پھر آپ نے کس حیثیت سے سرسلطان کو ذمہ داری لینے کے لئے کہا ہے“..... صدر صاحب کے لہجے میں اس بار غصے کے ساتھ ساتھ حیرت بھی تھی۔

”سٹار فورس کے چیف کے نمائندہ خصوصی کے طور پر“۔ عمران نے سپاٹ سے لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

”سٹار فورس کے چیف۔ یہ کون سی تنظیم ہے“..... صدر مملکت

کے لہجے میں حیرت تھی۔

”آپ نے پچھلے دنوں اس کا خصوصی نوٹیفیکیشن جاری فرمایا ہے۔“ عمران نے اس بار مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوہ۔ اوہ۔ ہاں۔ ٹھیک ہے۔ لیکن کیا واقعی آفتاب احمد دہشت گردوں کے سرغنہ ہیں“..... صدر مملکت نے اس بار قدرے ڈھیلے لہجے میں کہا۔

”جی ہاں سٹار فورس اہتائی ذمہ دار تنظیم ہے جناب۔ لیکن چونکہ بلاسٹرز کے گروہوں کو سنٹرل انٹیلی جنس نے ٹریس کر کے گرفتار کیا تھا اس لئے ان کے سرغنہ کو بھی سٹار فورس کے چیف نے سنٹرل انٹیلی جنس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں ہتھکڑی سنٹرل انٹیلی جنس کے سپرنٹنڈنٹ نے لگائی ہے۔ جہاں تک ثبوت کا تعلق ہے۔ سر عبدالرحمن کو یہ ثبوت ابھی اور اسی وقت پیش کر دیے جائیں گے“..... عمران نے جواب دیا۔

”اگر واقعی ثبوت ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔ ایسے آدمی کو گرفتار ہونا چاہئے۔ سوری فار ڈسٹرکٹس“..... صدر مملکت نے کہا اور عمران نے مسکراتے ہوئے فون آف کر دیا۔

”تم سٹار فورس کے چیف کے بھی نمائندہ خصوصی بن گئے ہو۔ یہ کیا چکر ہے۔ پہلے پاکیشیا سیکرٹ سروس والوں نے تمہیں سرپرچہ رکھا تھا اور اب یہ تنظیم بھی تمہارے جال میں پھنس گئی ہے۔ پہلے تم مجھے ثبوت دکھاؤ اور اس کے ساتھ ہی یہ بتاؤ کہ اگر ثبوت موجود تھے تو

اس نے انتہائی فرض شاسی کا ثبوت دیتے ہوئے آپ کی ناراضگی اور اپنے خلاف تادیبی کارروائی کا رسک لیتے ہوئے یہ کام کر دکھایا ہے۔ کیونکہ سٹار فورس کے چیف کو خطرہ تھا کہ چونکہ دہشت گردوں کے گروپس کو سنٹرل انٹیلی جنس نے ٹریس کیا ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ سنٹرل انٹیلی جنس کی نگرانی ہو رہی ہو اور آپ سے اجازت کی بات آؤت بھی ہو سکتی تھی..... عمران نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”ہونہر واقعی ایسا ہو سکتا تھا۔ ٹھیک ہے۔ آئی۔ ایم سینسٹائیڈ۔“

سر عبدالرحمن نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”اب آپ فیاض کو تو کوئی سزا نہ دیں گے ڈیڈی“..... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اب اسے کیسے سزا دی جا سکتی ہے۔ اب تو اسے کارکردگی کا سرٹیفکیٹ جاری ہوگا“..... سر عبدالرحمن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ایک سرٹیفکیٹ مجھے بھی چاہئے ڈیڈی“..... عمران نے کہا تو سر عبدالرحمن بے اختیار چونک پڑے۔

”تمہیں۔ کیا مطلب کیسا سرٹیفکیٹ“..... سر عبدالرحمن نے چونک کر حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”وہ۔ وہ سٹار فورس والوں نے اس شرط پر مجھے مناسبتہ خصوصی مقرر کیا ہے کہ اگر آپ مجھے انتہائی عقلمند ہونے کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جسے اس کے والد احمق سمجھتے ہوں۔ وہ مناسبتہ خصوصی نہیں بن سکتا اور نہ اسے کوئی تنخواہ یا الاؤنس مل سکتا ہے۔“

میرے سامنے لانے کی بجائے براہ راست سرٹیفکیٹ فیاض کو کیوں کہا گیا کہ وہ یہ گرفتاری کرے اور سرٹیفکیٹ فیاض کے خلاف تو بہر حال ضابطے کی کارروائی ہوگی کہ اس نے میری اجازت کے بغیر کیوں یہ کام کیا ہے۔“ سر عبدالرحمن نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”یہ ثبوت دیکھئے“..... عمران نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر سر عبدالرحمن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو سر عبدالرحمن نے کاغذ لیا اور اسے کھول کر دیکھنے لگے۔ ان کے چہرے پر یکفخت انتہائی حیرت کے تاثرات ابھرائے۔

”اوہ۔ اوہ۔ ویری بیڈ۔ یہ تو انتہائی ٹھوس ثبوت ہے۔ یہ شخص تو دنیا کا سب سے بڑا مکار ہے۔ ٹھیک ہے اس کی گرفتاری ضروری اور لازمی تھی لیکن“..... سر عبدالرحمن نے کہا۔

”یہ آدمی دشمن ملک کا مین ایجنٹ ہے۔ اس سرٹیفکیٹ کے علاوہ بھی سٹار فورس کے پاس اس کے بہت سے ثبوت ہیں جن میں اس کی گفتگو کے ٹیپ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ سٹار فورس کے چیف کو خطرہ تھا کہ اگر اسے ذرا بھی بھنک پڑگئی کہ اسے گرفتار کر لیا جائے گا تو یہ ملک سے فرار ہو جائے گا اور اس طرح پاکیشیا کے پاس وہ ثبوت نہیں رہے گا کہ پاکیشیا میں دہشت گردی کی کارروائیوں میں کون سا ملک ملوث ہے۔ اس لئے فیاض سے کہا گیا کہ وہ اچانک اور فوراً اسے گرفتار کرے۔ اس کے علاوہ یہاں موجود افراد کی نگرانی بھی کی جا رہی ہے تاکہ کوئی اسے ہلاک نہ کر دے۔ فیاض کو جب ان حالات کا علم ہوا تو

پڑے۔ جبکہ اس دوران فیاض آفتاب کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا دروازے سے باہر لے گیا۔ اس بار وہاں موجود کسی بھی شخص نے کوئی احتجاج نہ کیا تھا۔ سب کے چہرے حیرت کی شدت سے پتھر اُٹے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

ختم شد

عمران نے بڑے معصوم سے لہجے میں کہا۔  
 "عقلمند اور تم۔ تم اول درجے کے احمق ہو۔ سمجھتے تھے..... سر عبدالرحمن نے تیرے لہجے میں کہا۔  
 "مم۔ مم۔ مگر ڈیڈی۔ بزرگ تو یہی کہتے ہیں کہ بنیادی کچھ ہوتا ہے جو اس کا باپ۔ مم۔ مم میرا مطلب ہے والد صاحب قبلہ ہوتے ہیں۔ اب آپ کی مرضی آپ جو بھی سرٹیفکیٹ دیں..... عمران نے بڑے مسکے سے لہجے میں کہا اور تیزی سے واپس دروازے کی طرف مڑ گیا۔

"نافنس۔ ناخلف..... سر عبدالرحمن نے ایسے لہجے میں کہا جیسے انہیں غصہ بھی آ رہا ہو اور وہ ہنسنا بھی چاہتے ہوں اور ان کے پاس کھڑے ہوئے سر سلطان خلاف عادت بے اختیار تمہقہ مار کر ہنس پڑے۔

"تم ہنس رہے ہو وہ سمجھے احمق کہہ گیا ہے اور وہ بھی اس طرح سب کے سامنے..... سر عبدالرحمن نے سر سلطان سے مخاطب ہو کر کہا۔  
 "اس نے تو سرٹیفکیٹ مانگا ہے۔ اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ تم اسے کون سا سرٹیفکیٹ دیتے ہو۔ ویسے عبدالرحمن کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ عمران دراصل کیا ہے..... سر سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"احمق اور بے وقوف ہے اور کیا ہے..... سر عبدالرحمن نے اس بار مسکراتے ہوئے کہا اور سر سلطان ایک بار پھر بے اختیار ہنس

عمران سیریز میں انتہائی حیرت انگیز اور شاندار ناول

مخصوصی پیش کش

# پیش کش ایجنٹ برنو

مصنف — مظہر کلیم ایم اے

• بلیو کیسپول — ایک چھوٹا سا کیسپول — جس میں  
• لاکھوں کروڑوں افراد کی موت چھپی ہوئی تھی۔  
• برنو — پیش ایجنٹ جو ذہانت — عیاری اور مستعدی  
• میں عمران سے کسی صورت کم نہ تھا۔  
• برنو — جس نے وہ بلیو کیسپول یوں حاصل کر لیا جیسے یہ اس  
• کے لئے بچوں کا کھیل ہو۔  
• طاعون سے سیکرٹ سروس — جو جیٹ جنگی طیاروں کے  
• سکیورڈرن اور بے شمار جیمپوں اور مسلح  
• فوجی سپاہیوں کے باوجود برنو کو گھیرنے میں ناکام رہی۔  
• سیکرٹ سروس — جو برنو کی ذہانت — عیاری اور مستعدی  
• کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئی۔

• برنو — جس نے بلیو کیسپول کو توڑ کر پکاشیا بھٹکے دارالحکومت  
• کے لاکھوں مردوں، عورتوں اور بچوں کو پلک جھپکنے  
• میں موت کے گھاٹ اتارنے کی کھلی دھمکی دے دی۔  
• برنو — جس کی دھمکی کے سامنے حکومت کی تمام مشینری  
• اور سیکرٹ سروس سب بے بس ہو کر رہ گئے۔ اور  
• ان سب نے متفقہ طور پر اپنی شکست کا اعلان کر دیا۔

• دارالحکومت کے لاکھوں افراد برنو کے سامنے موت کے  
• خوف سے چیخ رہے تھے اور برنو اپنی فتح پر مسکرا رہا تھا۔  
• ایک ایسی سچو کیشن — جب دارالحکومت موت کے بھیاں تک  
• طوفان میں گھرا ہوا تھا مگر عمران غائب تھا — کیوں؟  
• کیا برنو نے دارالحکومت کے لاکھوں افراد کو موت کے  
• گھاٹ اتار دیا — یا؟

• وہ حیرت انگیز لمحہ — جب عمران، برنو کے مقابلے میں مران میں  
• اتر ا اور پھر؟

• کیا عمران یہ ثابت کر سکا کہ وہ برنو جیسے پیش ایجنٹ سے زیادہ ذہین  
• ہے یا اس نے بھی شکست تسلیم کر لی؟ — لمحہ طر موت — دھڑکن  
• دھڑکن زندگی — ٹمٹماتی امیدیں اور ڈوبتی یابیوں کا حیرت انگیز امتزاج

یوسف برادرز تاجران کتب پاک گیٹ ملتان



عمران سیر میں انتہائی دلچسپ اور منفرد انداز کی شاہکار کہانی

## ڈیوٹھ کوٹیک

مصنف — منظر کلیم ایم۔ اے

ڈیوٹھ کوٹیک — کافرستان کا ایک ایسا بھیانک سائنسی منصوبہ کہ جس کی تکمیل کے بعد پاکستان کے کروڑوں بے گناہ افراد ایک لمحے میں موت کے گھاٹ اتار دیئے جاتے۔ لیکن پوری دنیا اسے قدرتی آفت ہی سمجھتی رہتی۔

ڈیوٹھ کوٹیک — جس کا تجربہ پاکستان کے ایک پہاڑی علاقے میں کیا گیا اور ہزاروں افراد یکلخت لقمہ اجل بن گئے۔ مگر پاکستان اور پوری دنیا کے ماہرین نے اسے قدرتی آفت قرار دے دیا۔ کیوں — ؟

ڈیوٹھ کوٹیک — جس کے خلاف عمران اور پاکستان سیکرٹ سروس جب میدان میں اترے تو کافرستان کی چاروں ایجنسیاں عمران کے مقابل آگئیں۔ اور پھر ایک خوفناک جنگ کا آغاز ہو گیا۔

— ایک ایسا مشن — جس میں عمران اور اس کے ساتھیوں کو زبردست جدوجہد کے باوجود ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ کیوں — ؟

— وہ لمحہ — جب عمران اور سیکرٹ سروس کو باوجود سرفورڈ کوششوں کے ناکام پاکستان لوٹنا پڑا۔

— وہ لمحہ — جب شاگل نے کافرستان کی طرف سے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ کیوں — ؟ کیا شاگل نے کافرستان سے غداری کر دی — یا — ؟

کیا واقعی اس مشن میں عمران اور اس کے ساتھیوں کے مقدر میں ناکامی لکھ دی گئی تھی — یا — ؟

— کیا کافرستان اپنے اس بھیانک سائنسی منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہو گیا — ؟

انتہائی دلچسپ اور قطعی منفرد انداز میں لکھا گیا — ایک یادگار ناول —

ایکشن اور سپینس کا حسین امتزاج

# یوسف برادر — پاک گیٹ ملتان

# شہرہ آفاق مصنف جناب منظر کلیم ایم اے کی عمران سیریز

اسٹار ٹریک ————— دوم	ڈائنڈ ٹائیگر ————— مکمل
لٹل ڈیولز ————— مکمل	ادھورا فارمولا ————— اول
فیس آف ڈیوٹی ————— اول	موت کا دائرہ ————— دوم
فیس آف ڈیوٹی ————— دوم	راین ہڈ ————— مکمل
بلیک ڈیوٹی ————— اول	پانکے مجرم ————— مکمل
بلیک ڈیوٹی ————— دوم	ڈائنڈ آف ڈیوٹی ————— مکمل
ہاٹ ٹاپ ————— اول	ٹاپ راک ————— اول
ہاٹ ٹاپ ————— دوم	ٹاپ راک ————— دوم
اسپیشل ایجنٹ بروٹو ————— مکمل	جولیا فائنٹ گروپ ————— اول
ریڈ چیف ————— مکمل	جولیا فائنٹ گروپ ————— دوم
ڈیوٹی سرکل ————— مکمل	پاور لیسنڈ ————— اول
ٹریچ فائر ————— مکمل	پاور لیسنڈ ————— دوم
ڈارک کلب ————— مکمل	جوانا ان ایکشن ————— اول
حلقہ موت ————— اول	جوانا ان ایکشن ————— دوم
حلقہ موت ————— دوم	اسٹار ٹریک ————— اول

## یوسف برارڈ - پاک گیٹ ملتان



مظہر علی

یکے از مطبوعات

یوسف پبلشرز، پاک سیکلرز  
برادرز  
پاک گیٹ ○ ملتان